14
اسلامی علوم کا تعارف
علم الفقہ
آیت اللہ شہید استاد مرتضیٰ مطہریؒ
شہید مطہری فاونڈیشن
www.shaheedmutahhari.com

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں۔

نام کتاب	علم الفقہ
مصنف	شہید آیت اللہ مرتضیٰ مطہریؒ
مترجم	سید محمد عسکری
سیٹنگ	قلب علی سیال
کمپوزنگ	الحمد گرافکس لاہور (0333-4031233)
ناشر	شہید مطہری فاؤنڈیشن

ملنے کا پتہ

معراج کمپنی

LG-3 بیسمنٹ میاں مارکیٹ غزنی سٹریٹ اُردو بازار لاہور۔

بِسۡمِ اللهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

عرض ناشر

''شہید مطہری فاؤنڈیشن'' دینی مواد کی اشاعت کے سلسلہ میں نیا ادارہ تشکیل دیا گیا ہے۔ ادارے کا مطمع نظر عوام کو بہتر اور سستے ترین انداز میں دینی مواد بذریعہ کتب اور انٹرنیٹ فراہم کرنے کا پروگرام ہے۔ اللہ تعالیٰ ادارہ ھذا کو اس عظیم کام کی انجام دہی کیلئے بھرپور وسائل عطا فرمائے۔

زیرِ نظر کتاب ''علم الفقہ'' شہید آیت اللہ مرتضیٰ مطہریؒ کی سعی بجمیل کا نتیجہ ہے۔ قرآن وسنت کی اصطلاح میں ''فقہ'' سے مراد اسلامی احکام ومعارف کا وسیع علم اور انہیں گہرائی کے ساتھ جاننا ہے اور وہ کسی خاص شعبے سے مخصوص نہیں ہے۔ لیکن رفتہ رفتہ علماء کی اصطلاح میں یہ لفظ فقہ، احکام سے مخصوص ہوگیا۔ کتابِ ھذا میں اسی طرح کی بحثیں ہیں قارئین حضرات اس سے استفادہ کریں۔

ادارہ ھذا نے اس کتاب کے موضوعات کو مختلف ایرانی ویب سائٹ سے ڈاؤن لوڈ کیا ہے۔ کتاب کو پاکستان کی عوام کے پسندیدہ خط، فونٹ اور انداز میں پیش کیا جارہا ہے۔ اللہ تعالیٰ نیٹ پر اَپ لوڈ کرنے والوں کی توفیقاتِ خیر میں اضافہ فرمائے۔ اُمید ہے آپ ادارہ ہذا کی اس کوشش کو بھی قدر کی نگاہ سے دیکھیں گے۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔والسلام

شہید مطہری فاؤنڈیشن

فہرست مضامین

سبق نمبر ۱	8
علم فقہ	8
لفظ فقہ قرآن وحدیث میں	9
لفظ فقہ علماء کی اصطلاح میں	10
تکلیفی و وضعی حکم	11
تعبدی وتوصلی	12
عینی و کفائی	12
تعیینی وتخییری	13
نفسی ومقدمی	13
سبق نمبر ۲	15
فقہ اور فقہاء کی مختصر تاریخ	15
شیعہ فقہاء	16
سبق نمبر ۳	22
فقہ اور فقہاء کی مختصر تاریخ	22
سبق نمبر ۴	31

فقہ اور فقہاء کی مختصر تاریخ	31
سبق نمبر ۵	40
فقہ اور فقہاء کی مختصر تاریخ	40
مختصر جائزہ	44
سبق نمبر ۶	48
فقہ کے اہم ابواب و مسائل	48
عبادات	51
سبق نمبر ۷	57
فقہ کے اہم ابواب و مسائل	57
عقود	57
سبق نمبر ۸	66
فقہ کے اہم ابواب و مسائل	66
ایقاعات	66
اسباق نمبر ۹۔۱۰	73
فقہ کے اہم ابواب و مسائل	73
احکام	73
سبق نمبر ۱۱	84
فقہی مسائل کا تنوع	84

وضاحت: 86

تقسیمات 87

فقہاء کیا کہتے ہیں؟

سبق نمبر ا

علم فقہ

علم فقہ، اسلامی علوم میں وسیع ترین علم ہے۔اس کی تاریخ تمام دوسرے اسلامی علوم سے پرانی ہے۔ یہ علم تمام زمانوں میں بڑے وسیع پیمانے پر پڑھا اور پڑھایا جاتا رہاہے۔اسلامی دنیا میں بے شمار فقہاء بھی پیدا ہوئے ہیں۔

بعض فقہاء دنیا کی غیر معمولی ہستیوں میں شمار ہوتے ہیں۔اس علم میں بیحد کتابیں لکھی گئی ہیں۔بعض کتابیں ایسی ہیں جن کی قدر و قیمت معین نہیں کی جاسکتی۔ فقہ میں ایسے لاتعداد مسائل بیان ہوئے ہیں جو انسانی زندگی کے تمام پہلوؤں پر حاوی ہیں۔

آج کی دنیا میں قانون کی تمام قسموں، بنیادی قانون، شہری قانون، عائلی حقوق، سیاسی قانون اور سزا کے قانون کے تحت جتنے مسائل بیان ہوتے ہیں وہ سب کے سب فقہ کے مختلف ابواب میں دوسرے ناموں سے بکھرے ہوئے ہیں۔

اس کے علاوہ فقہ میں کچھ ایسے مسائل بھی ہیں جو آج کے قوانین میں نظر نہیں آتے، جیسے عبادات کے مسائل۔ جیسا کہ آپ جانتے ہیں، آج کے قوانین میں فقہ کے جو مسائل بیان ہوئے ہیں، انہیں مختلف شعبوں میں تقسیم کردیا ہے اور وہ مختلف فیکلٹیوں میں پڑھائے جاتے ہیں۔اسی بناء پر فقہ بالقوہ مختلف موضوعات پر مشتمل ہے۔

لفظ فقہ قرآن وحدیث میں

قرآن کریم اور احادیث میں لفظ فقہ وتفقہ کا بڑی کثرت سے استعمال ہوا ہے۔ ہر جگہ اس لفظ کا مفہوم گہری سمجھ اور عمیق فہم کے ہمراہ ہے۔ قرآن کریم میں ہے:

فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَآئِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوْا فِي الدِّيْنِ وَلِيُنْذِرُوْا قَوْمَهُمْ اِذَا رَجَعُوْٓا اِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُوْنَ۝۱۲۲ (توبہ:۱۲۲)

ہر گروہ میں سے کچھ لوگ کیوں نہیں نکلتے تاکہ دین کے بارے میں پوری بصیرت حاصل کریں اور واپسی کے بعد اپنے عوام کو خطرے سے آگاہ کریں، شاید وہ پرہیز کریں۔

حدیث میں ہے کہ رسول خداؐ نے فرمایا:

من حفظ علی امتی اربعین حدیثا بعثہ اللہ فقیھا عالما۔

جو شخص میری امت میں چالیس حدیثیں حفظ کرے، خدا اسے فقیہ وعالم محشور فرمائے گا۔

مجھے یہ توصحیح طرح سے نہیں معلوم کہ صحابہ سے تعلق رکھنے والے علماء و فضلاء فقہاء کے لقب سے یاد کئے جاتے تھے یا نہیں، لیکن اتنا مسلم ہے کہ تابعین (صحابہ کے وہ شاگرد جنہیں صحبت پیغمبرؐ کا شرف نہیں ملا لیکن انہوں نے صحابہ کا زمانہ دیکھا ہے) کے زمانے میں یہ لقب بعض لوگوں کے لیے استعمال ہوتا تھا۔

سات تابعین فقہاء سبعہ کے نام سے پہچانے جاتے تھے۔ ۹۴ھ کو جو حضرت زین العابدینؑ کی وفات کا سال ہے اور اسی سال فقہاء سبعہ میں سے سعید بن مسیب، عروہ بن زبیر نیز فقہائے مدینہ میں سے سعید بن جبیر اور کچھ دوسرے فقہاء نے وفات پائی ہے، ''سنتہ الفقہاء'' کے نام سے یاد کیا گیا ہے۔ اس کے بعد ہر زمانے میں اسلام سے آشنا، خصوصاً اسلامی احکام سے واقف علماء کو ''فقہاء'' کہا جاتا ہے۔

آئمہ اطہارؑ نے بارہا یہ لفظ استعمال کیا ہے۔ اپنے بعض اصحاب کو تفقہ کا حکم دیا ہے یا انہیں فقیہ کے لقب سے نوازا ہے۔ ان ہی ایام میں آئمہ اطہارؑ کے جید شاگرد شیعہ فقہاء کے عنوان سے پہچانے جاتے تھے۔

لفظ فقہ علماء کی اصطلاح میں

قرآن وسنت کی اصطلاح میں ''فقہ'' سے مراد اسلامی احکام و معارف کا وسیع علم اور انہیں گہرائی کے ساتھ جاننا ہے اور وہ کسی خاص شعبے سے مخصوص نہیں ہے۔ لیکن رفتہ رفتہ علماء کی اصطلاح میں یہ لفظ فقہ، احکام سے مخصوص ہوگیا۔ اس کی وضاحت یہ ہے کہ علمائے اسلام نے اسلامی تعلیمات کو تین حصوں میں تقسیم کیا ہے:

الف۔ معارف واعتقادات۔ یعنی وہ امور جن کا مقصد معرفت ایمان اور اعتقاد ہے، جو قلب، دل اور فکر سے تعلق رکھتے ہیں۔ جیسے مبداء، معاد، نبوت، وحی، ملائکہ اور امامت سے مربوط مسائل۔

ب۔ اخلاقیات اور تربیتی مسائل، یعنی وہ امور جن کا مقصد یہ ہے کہ انسان کو روحی ونفسیاتی خصلتوں کے لحاظ سے کیسا ہونا اور کیسا نہیں ہونا چاہئے۔ جیسے تقویٰ، عدالت، سخاوت، شجاعت، صبر و رضا اور اثبات قدم وغیرہ۔

ج۔عملی احکام ومسائل ۔یعنی وہ امور جن کا مقصد یہ ہے کہ انسان خارج میں کچھ مخصوص اعمال بجالائے یا اس کے اعمال کیسے ہونے چاہئیں اور کیسے نہیں ہونے چاہئیں دوسرے لفظوں میں وضع شدہ قوانین وضوابط ۔اسلامی فقہاء نے لفظ فقہ کواسی آخری قسم میں اصطلاح بنالیا ہے۔شایداس کی وجہ یہ ہوکہ صدر اسلام سے (آج تک) عوام جس چیز کوسب سے زیادہ اہمیت دیتے اوراس کے متعلق سوال کرتے تھے، وہی یہی عمل مسائل تھے۔لہٰذا جو افراد اس شعبہ میں مہارت رکھتے تھے،وہ ''فقہاء'' کے نام سے مشہور ہوگئے۔

تکلیفی ووضعی حکم

فقہاء کی بعض مخصوص اصطلاحوں کو بیان کردینا بھی ضروری ہے۔فقہاء احکام،یعنی خدا کے وضع کئے ہوئے قوانین کودوحصوں میں تقسیم کرتے ہیں:حکم تکلیفی اورحکم وضعی۔

حکم تکلیفی ،یعنی وجوب،حرمت،استحباب،کراہت،اباحت۔

یہ پانچ احکام ''احکام خمسہ تکلیفیہ'' کے نام سے یاد کئے جاتے ہیں۔

کہتے ہیں اسلامی نقطہ نظر سے کوئی بھی کام ان پانچ حکموں سے خالی نہیں ہے۔ یا واجب ہے یعنی اسے انجام دینا ضروری ہے اوراسے ترک کرنا جائزنہیں ہے، جیسے نماز پنجگانہ، یا حرام ہے یعنی اسے انجام نہیں دینا چاہیے،اس کا ترک کرنا ضروری ہے، جیسے جھوٹ، ظلم، شراب خوری وغیرہ یا مستحب ہے، یعنی اس کا بجالانا اچھا ہے لیکن اگرترک کردیا گیاتوسزانہیں دی جائے گی، جیسے نماز نافلہ یامکروہ ہے یعنی اسے انجام نہ دینا اچھا ہے لیکن اگرانجام دے دیاتوسزانہیں ملے گی، جیسے مسجد میں جوکہ عبادت کی جگہ ہے، دنیاوی باتیں کرنا یا مباح ہے یعنی اسے کرنا یا نہ کرنا

دونوں برابر ہے، جیسے اکثر امور۔ تمام تکلیفی احکام کا تعلق کرنے یا نہ کرنے، امرونہی یا اجازت سے ہے۔

لیکن وضعی احکام اس طرح کے نہیں ہیں جیسے زوجیت، ملکیت، شرطیت اور سببیت وغیرہ۔

تعبدی وتوصلی

واجبات کی دو قسمیں ہیں: تعبدی اور توصلی۔

تعبدی یعنی وہ امور جن کی بجا آوری میں قصد قربت شرط ہے۔ یعنی انسان ان امور کو کسی دنیوی و مادی غرض ومقصد کے بغیر خدا سے تقرب کی نیت سے بجالائے تو صحیح ہے ورنہ صحیح نہیں ہے۔ جیسے نماز روزہ وغیرہ۔

لیکن واجب توصلی یہ ہے کہ اگر اسے تقرب کی نیت کے بغیر بھی انجام دیا جائے پھر بھی فریضہ پورا ہو جائے گا۔ جیسے ماں باپ کی اطاعت یا سماجی عہدو پیمان کا ایفاء مثلاً انسان یہ طے کرتا ہے کہ فلاں کام اتنی اجرت کے بدلہ میں انجام دے گا تو اس پر اس کام کی انجام دہی واجب ہو جاتی ہے بلکہ ہر قسم کا عہد و وعدہ یہی حکم رکھتا ہے۔

عینی وکفائی

واجبات کی ایک اور تقسیم ہے: عینی وکفائی۔ واجب عینی یعنی جو ہر شخص پر فرداً فرداً واجب ہو۔ جیسے نماز وروزہ وغیرہ۔ لیکن واجب کفائی یہ ہے کہ کسی کام کی انجام دہی تمام مسلمانوں پر اس طرح سے واجب ہو کہ اگر ایک یا چند افراد اسے انجام دے دیں تو بقیہ افراد بھی بری الذمہ ہو جاتے ہیں۔ جیسے طبابت، قضاوت، زراعت، تجارت، فقاہت اور سپہ گرمی وغیرہ جیسی سماجی ضروریات اور یہی حکم میتوں

کوکفن ودفن کرنے کا ہے کہ یہ تمام مسلمانوں پر واجب ہے، لیکن اگر چند افراد اسے انجام دے دیں تو بقیہ بری الذمہ ہو جائیں گے۔

تعیینی و تخییری

واجبات کی تیسری تقسیم یہ ہے کہ وہ یا تعیینی ہیں یا تخییری۔ واجب تعیینی یہ ہے کہ کوئی معین و مشخص کام انجام دیا جائے۔ جیسے نماز پنجگانہ، حج، زکوٰۃ، خمس امر بالمعروف اور جہاد وغیرہ۔

لیکن واجب تخییری یہ ہے کہ مکلف چند کاموں میں سے کوئی ایک کام انجام دے۔ جیسے بعض قسم کے کفارے، مثلاً اگر کوئی شخص ماہ مبارک رمضان میں عمداً روزہ نہ رکھے تو اسے ایک غلام آزاد کرنا ہوگا یا ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلانا ہوگا یا ساٹھ دن روزے رکھنا ہوں گے۔

نفسی ومقدمی

چوتھی تقسیم یہ ہے کہ واجب کی دو قسمیں ہیں: نفسی ومقدمی۔ واجب نفسی وہ ہے جو بذاتہ مقصود شارع ہو۔ وہ خود اپنی ہی خاطر مقصود و مطلوب ہو، نہ کہ کسی اور واجب کی خاطر۔ مثلاً ایک انسان جو ہلاکت کے قریب ہے، اسے نجات دینا واجب ہے اور یہ واجب کسی دوسرے واجب کا مقدمہ بھی نہیں ہے۔ لیکن اس کی نجات کے لیے ابتدائی وضروری مقدمات مثلاً اگر کوئی انسان کنویں میں گر گیا ہو تو اسے نکالنے کے لیے رسی اور دوسرے وسائل کی فراہمی ضروری ہے۔ ان وسائل کو فراہم کرنا بھی واجب ہے، لیکن ایک دوسرے واجب (نجات انسان) کے مقدمے کے طور پر۔ یا مثلاً حج کے اعمال واجب ہیں اور یہ وجوب نفسی ہے یا پاسپورٹ حاصل کرنا، ٹکٹ خریدنا اور دیگر مقدماتی وسائل فراہم کرنا بھی واجب

ہے لیکن یہ وجوب مقدمی ہے۔نماز واجب نفسی ہے لیکن نماز کے وقت میں نماز
کے لیے وضو یا غسل واجب مقدمی ہے۔

سبق نمبر ۲

فقہ اور فقہاء کی مختصر تاریخ

(۱)

جیسا کہ گزشتہ دروس میں یاد دہانی کرا چکا ہوں کہ کسی علم سے واقفیت کا ایک مقدمہ یہ ہے کہ اس علم کی نمایاں ہستیوں اور وہ مشہور و معروف صاحب نظر افراد جن کے افکار و نظریات کو اس علم میں اہمیت دی جاتی ہے نیز اس علم میں لکھی جانے والی ان اہم کتابوں سے آگاہی حاصل کی جائے جو سند کا درجہ رکھتی ہیں۔

علم فقہ، یعنی وہ مدون فقہ جس کے بارے میں کتابیں لکھی جا چکی ہیں اور وہ کتابیں آج بھی موجود ہیں، گیارہ سو سالہ تاریخ رکھتا ہے۔ یعنی گیارہ سو سال سے بلا وقفہ فقہی مدرسے کھلے ہوئے ہیں۔ اساتذہ نے بہت سے شاگرد پروان چڑھائے ہیں اور خود ان شاگردوں نے دوسرے شاگردوں کی تربیت کی ہے اور آج تک استاد شاگرد کا یہ رابطہ برقرار ہے۔

البتہ فلسفہ، منطق، ریاضیات اور طب جیسے دیگر علوم کی تاریخ اس سے بھی زیادہ پرانی ہے اور ان علوم کی قدیم ترین کتابیں بھی موجود ہیں۔ لیکن ان علوم میں سے شاید کسی بھی علم میں اس طرح کی پیہم و مسلسل حیات کی نشان دہی نہیں کی جا سکتی، جہاں کسی بھی لمحے استاد شاگرد کا سلسلہ نہ ٹوٹا ہو۔ بالفرض اگر کسی علم میں یہ خاصیت موجود بھی ہو تو وہ اسلامی دنیا ہی میں منحصر ہوگا۔ یعنی یہ صرف اسلامی دنیا ہی ہے جہاں علوم اپنی ہزار سالہ

منظم، مسلسل اور پیہم زندگی کی تاریخ رکھتے ہیں اور اس میں کسی قسم کا وقفہ نہیں ہوا ہے۔ ہم اس سے پہلے عرفان کے تسلسل کے بارے میں ایک مختصر بحث کر چکے ہیں۔

خوش قسمتی سے ایک مسئلہ جو مسلمان علماء کی توجہ کا مرکز بنا رہا ہے وہ یہی صاحبان علوم کے مسلسل طبقوں کو مشخص کرنا ہے۔ یہ کام سب سے پہلے علمائے حدیث کے سلسلے میں انجام پایا ہے۔ اس کے بعد دیگر علوم کے ماہرین کے بارے میں۔ ہمارے یہاں اس موضوع پر بہت سی کتابیں موجود ہیں۔ جیسے ابو اسحاق شیرازی کی طبقات الفقھاء، ابن ابی اصیبعہ کی طبقات الاطباء، ابوعبدالرحمن سلمی کی طبقات النحویین اور طبقات الصوفیہ۔

لیکن بڑے افسوس کی بات ہے کہ طبقات فقہاء کے بارے میں جو کچھ لکھا گیا ہے، جہاں تک میری اطلاع ہے، وہ سب اہل سنت سے مربوط ہے۔ طبقات فقہائے شیعہ کے بارے میں ابھی تک کوئی کتاب نہیں لکھی گئی ہے۔ لہٰذا شیعہ فقہاء کے طبقوں کے انکشاف کے لئے علماء کی سوانح حیات یا اجازوں کی کتابوں سے، جو روایان حدیث کے طبقوں سے مربوط ہیں، استفادہ کرنا چاہیے۔ ہم یہاں شیعہ فقہاء کے طبقات کو تفصیل سے نہیں بیان کرنا چاہتے بلکہ صرف فقہی کتابوں کے ہمراہ ان چند شخصیتوں اور نام گرامی فقیہوں کا تذکرہ کرنا چاہتے ہیں جن کے افکار و نظریات اہمیت رکھتے ہیں۔ ضمنی طور پر فقہاء کے طبقات سے بھی واقفیت ہو جائے گی۔

شیعہ فقہاء

شیعہ فقہاء کی تاریخ ہم غیبت صغریٰ کے زمانہ ۲۶۰ھ تا ۳۲۰ھ سے شروع کر رہے ہیں اور اس کی دو وجوہات ہیں۔ ایک یہ کہ غیبت صغریٰ سے پہلے کا

زمانہ آئمہ اطہارؑ کے ظہور کا زمانہ ہے اور اگرچہ عصر ظہور میں بھی فقہاء اور صحیح معنوں میں مجتہدین وصاحبان فتویٰ موجود تھے، جنہیں خود آئمہ اطہار (ع) فتویٰ دینے کا شوق دلاتے تھے۔ لیکن آئمہ اطہار علیہم السلام کی موجودگی کی وجہ سے انہیں کوئی اہمیت نہیں دی جاتی تھی۔ یعنی انہیں صرف اسی وقت مرجع مانا جاتا تھا جب آئمہ اطہار (ع) تک رسائی ممکن نہ ہو۔ اس وقت لوگ حتیٰ الامکان اصل سرچشمہ تک پہنچنے کی کوشش کرتے تھے۔ خود وہ فقہاء بھی راستہ کی دوری اور اس زمانے کی دیگر مشکلات کو مدنظر رکھتے ہوئے اپنی علمی مشکلوں کو آئمہ اطہار (ع) کی خدمت میں پیش کرنے کی حتیٰ الامکان کوشش کرتے تھے۔ دوسرے یہ کہ بظاہر ہماری مدون فقہ کی تاریخ غیبت صغریٰ ہی سے شروع ہوتی ہے۔ یعنی غیبت صغریٰ سے پہلے کی کوئی شیعہ فقہی کتاب فی الحال موجود نہیں ہے یا مجھے اس کی خبر نہیں ہے۔

بہرکیف شیعوں کے یہاں بھی آئمہ اطہار (ع) کے زمانے میں بڑے بڑے فقیہ موجود تھے۔ اگر ہم ان کے ہمعصر دیگر مذاہب کے فقہاء سے ان کا مقابلہ کریں تو اس وقت ان کی قدر وقیمت ظاہر ہوگی۔ ابن ندیم نے اپنی نہایت معتبر عمدہ نفیس اور عالمی شہرت یافتہ کتاب ''الفہرست'' کے چھٹے مقالہ کے پانچویں فن کو شیعہ فقہاء سے مخصوص کیا ہے۔ وہ ان فقہاء کے ناموں کے ذیل میں فقہ وحدیث میں لکھی گئی ان کی کتابوں کا ذکر بھی کرتے ہیں۔ حسین بن سعید اہوازی اور ان کے بھائی کے بارے میں کہتے ہیں: اوسع اھل زمانھما علما بالفقہ والآثار والمناقب یا علی ابن ابراہیم قمی کے متعلق لکھتے ہیں: من العلماء الفقھاء محمد بن حسن بن احمد بن الولید قمی کے سلسلے میں ہے: ولہ من التلب کتاب الجامع فی الفقہ۔ ان کی فقہی کتابیں بظاہر اس طرح کی تھیں کہ وہ ہر باب میں جن حدیثوں کو معتبر سمجھتے تھے اور ان پر عمل کرتے تھے، انہیں ذکر کر دیتے تھے۔ وہ کتابیں حدیث بھی اور مؤلف کا نظریہ وفتویٰ بھی۔

محقق علی کتاب معتبر کے مقدمے میں لکھتے ہیں:

چونکہ ہمارے فقہاء رضوان اللہ علیہم کی تعداد بہت زیادہ ہے ان کی کتابیں بھی بکثرت ہیں۔ ان سب کے اقوال کو نقل کرنا ناممکن ہے، لہٰذا میں صرف ان فقہاء کے اقوال نقل کر رہا ہوں جو علم و فضل، تحقیق و جستجو اور حسن انتخاب میں مشہور تر ہیں اور ان افاضل کی کتابوں میں سے صرف ان ہی چیزوں (کے انتخاب) پر اکتفا کر رہا ہوں جن سے کتابوں میں ان کا اجتہاد عیاں ہے اور وہ خود ان پر بھروسہ کرتے تھے۔ (عصر آئمہؑ کے قدماء میں سے) جن لوگوں کا ذکر کروں گا، ان میں حسن بن محبوب، احمد بن ابی نصر بزنطی، حسین بن سعید اہوازی، فضل بن شاذان نیشاپوری، یونس بن عبدالرحمن اور متاثرین میں سے محمد بن بابویہ قمی (شیخ صدوق) محمد ابن یعقوب کلینی اور اصحاب فتویٰ میں سے علی بن بابویہ قمی، اسکافی، ابن ابی عقیل، شیخ مفید، سید مرتضیٰ علم الھدیٰ اور شیخ طوسی ہیں۔

محقق علی، اس کے باوجود کہ پہلے گروہ کو نظر، اجتہاد اور انتخاب کا اہل جانتے ہیں، لیکن انہیں اصحاب فتویٰ کے نام سے یاد نہیں کرتے کیونکہ ان کی کتابیں اگرچہ ان کے اجتہاد کا نچوڑ تھیں، لیکن وہ فتویٰ کی شکل میں نہ تھیں بلکہ حدیث و روایت کی کتاب کی صورت میں تھیں۔ اب ہم اپنی بحث کا آغاز غیبت صغریٰ کے زمانے کے ابتدائی مفتیوں کے ذکر سے کر رہے ہیں۔

۱۔ علی بن بابویہ قمی۔ آپ نے ۳۲۹ھ میں وفات پائی اور شہر قم میں دفن ہوئے ہیں۔ آپ شیخ محمد بن علی بابویہ کے والد ہیں جو شیخ صدوق کے نام سے مشہور ہیں اور شہر رے کے نزدیک دفن ہیں۔ بیٹا محدث ہے اور باپ فقیہ و صاحب فتویٰ۔ عام طور پر باپ بیٹے ''صدوقین'' کے نام سے یاد کئے جاتے ہیں۔

۲۔ عیاشی سمرقندی۔ اس دور کے ایک دوسرے مشہور فقیہ۔ علی بن بابویہ

قمی کے ہم عصر بھی ہیں، بلکہ زمانے کے لحاظ سے ذرا ان پر تقدم بھی رکھتے ہیں اور مشہور تفسیر کے مصنف ہیں۔ وہ ایک جامع شخصیت کے مالک تھے۔ اگرچہ ان کی شہرت تفسیر کی وجہ سے ہے لیکن وہ فقہاء کی صف میں شمار کئے جاتے ہیں۔ انہوں نے مختلف علوم، من جملہ فقہ میں بہت سی کتابیں تالیف کی ہیں۔ ابن ندیم الفہرست میں لکھتے ہیں: ان کی کتابیں خراسان میں بہت زیادہ رائج ہیں۔ اس کے باوجود ہم نے آج تک یہ نہیں دیکھا کہ کسی نے فقہ میں ان کا نظریہ نقل کیا ہو۔ ان کی فقہی کتابیں معدوم ہو چکی ہیں۔

عیاشی پہلے سنی تھے اور بعد میں شیعہ ہو گئے۔ انہیں اپنے والد کی میراث میں بڑی دولت ملی تھی مگر انہوں نے سب کچھ کتابیں اکٹھا کرنے، ان کی نقل بنوانے اور شاگردوں کی تربیت پر خرچ کر دیا۔

بعض لوگوں نے جعفر بن قولویہ کو جو شیخ مفید کے استاد تھے (فقہ میں) علی بن بابویہ کے ہم عصر اور فطری طور پر غیبت صغریٰ کے فقہاء میں شمار کیا ہے اور کہا ہے: جعفر بن قولویہ، سعد بن عبداللہ اشعری کے شاگرد تھے، لیکن چونکہ وہ شیخ مفید کے استاد تھے اور ۳۶۷ھ یا ۳۶۸ھ میں مرحوم ہوئے ہیں، لہٰذا انہیں علی بن بابویہ کا ہمعصر اور غیبت صغریٰ کے علماء میں نہیں شمار کیا جا سکتا۔ ان کے والد محمد ابن قولویہ، غیبت صغریٰ کے علماء میں سے ضرور ہیں۔

۳۔ ابن ابی عقیل عمانی۔ کہتے ہیں کہ وہ یمنی ہیں۔ عمان بحر یمن کا ساحل ہے۔ ان کی تاریخ وفات کا پتہ نہیں، لیکن وہ غیبت صغریٰ کے ابتدائی زمانے میں زندگی بسر کرتے تھے۔

بحر العلوم کا بیان ہے کہ وہ جعفر بن قولویہ کے استاد تھے اور جعفر بن قولویہ، شیخ مفید کے استاد تھے۔ یہ قول مذکورہ بالا قول کی نسبت، جس میں جعفر بن

قولویہ کوعلی بن بابویہ کا ہم عصر بتایا گیا تھا، تحقیق سے زیادہ قریب ہے۔فقہ میں ابن ابی عقیل کے نظریات بہت نقل ہوئے ہیں۔ان کا شماران ہستیوں میں ہوتا ہے جن کا نام فقہ میں بار بار نظر آتا ہے۔

۴۔ابن جنید اسکافی۔شیخ مفید کے اساتذہ میں سے ہیں۔کہا جاتا ہے کہ انہوں نے ۳۸۱ھ میں وفات پائی ہے اور ان کی تالیفات کی تعداد پچاس کے قریب ہے۔فقہاء، ابن جنید اور ابن ابی عقیل کو''القدیمین'' کے نام سے یاد کرتے ہیں۔فقہ میں ابن جنید کے نظریات ہمیشہ کی طرح آج بھی پیش کیے جاتے ہیں۔

۵۔شیخ مفید۔آپ کا نام محمد بن محمد ابن نعمان ہے۔متکلم بھی ہیں اور فقیہ بھی۔ابن ندیم الفہرست کے پانچویں مقالہ کے دوسرے فن میں جہاں وہ شیعہ متکلمین کا تذکرہ کرتے ہیں، انہیں ابن المعلم کے لقب سے یاد کرتے اور ان کی تعریف کرتے ہیں۔آپ ۳۳۶ھ میں پیدا ہوئے اور ۴۱۳ھ میں اس دنیا سے رخصت ہوگئے۔فقہ میں آپ کی مشہور کتاب مقنعہ ہے جو چھپ چکی ہے اور آج بھی موجود ہے۔شیخ مفید اسلامی دنیا میں شیعوں کے انتہائی درخشاں چہروں میں شمار ہوتے ہیں۔

ابویعلی جعفری نے جوکہ شیخ مفید کے داماد ہیں، کہا ہے کہ شیخ مفید راتوں کو بہت کم سوتے تھے۔ بقیہ حصہ نماز، مطالعہ، درس یا تلاوت قرآن میں گزارتے تھے۔شیخ مفید، ابن ابی عقیل کے شاگرد ہیں۔

۶۔ سید مرتضی المعروف بہ علم الھدیٰ۔ آپ ۳۵۵ھ میں پیدا اور ۴۳۶ھ میں مرحوم ہئے۔علامہ علی نے آپ کو امامیہ شیعہ کا معلم کہا ہے۔آپ ایک جامع شخصیت کے مالک تھے۔ادیب بھی تھے اور متکلم وفقیہ بھی۔آپ کے فقہی نظریات، فقہاء کی توجہ کا مرکز بنے رہے ہیں۔فقہ میں آپ کی مشہورر کتابوں میں

ایک انتصار ہے اور دوسری جمل العلم والعمل ہے۔آپ اورآپ کے بھائی سید رضی (نہج البلاغہ کے جامع) نے شیخ مفید کے سامنے زانوئے ادب تہ کیا ہے۔

سبق نمبر ۳

فقہ اور فقہاء کی مختصر تاریخ

(۲)

۷۔ شیخ ابو جعفر طوسی، مشہور بہ شیخ الطائفہ۔ اسلامی دنیا کے انتہائی روشن ستاروں میں شمار ہتے ہیں۔ فقہ، اصول، حدیث، تفسیر، کلام اور رجال میں آپ کی بہت سی تالیفات ہیں۔ آپ خراسان کے باشندہ ہیں۔ ۳۸۵ھ میں ولادت ہوئی اور ۴۰۸ھ میں ۲۳ سال کی عمر میں اس زمانے کے اسلامی علوم وثقافت کے عظیم مرکز بغداد کی جانب ہجرت فرمائی اور عمر کے آخری لحات تک عراق میں مقیم رہے۔ آپ کے استاد سید مرتضیٰ کے بعد شیعوں کی فتوائی وعلمی قیادت آپ کے سپرد ہوئی۔

آپ نے پانچ سال شیخ مفید کے پاس درس پڑھا ہے۔ برسوں شیخ مفید کے جید شاگرد سید مرتضیٰ کے حضور سے استفادہ کیا۔ آپ کے استاد سید مرتضیٰ نے ۴۳۶ھ میں وفات پائی ہے اور آپ اپنے استاد کے بعد ۲۴ سال تک زندہ رہے۔

سید مرتضیٰ کے بعد ۱۲ سال تک آپ بغداد میں مقیم رہے لیکن بعد میں کچھ فسادات اور بلووں کی وجہ سے، جس میں آپ کا گھر اور کتب خانہ نذر آتش کر دیا گیا بغداد سے ہجرت کر کے نجف چلے آئے اور وہاں ایک حوزہ علمیہ کی بنیاد رکھی۔ ۴۶۰ھ میں وہیں وفات پائی۔ نجف میں آپ کی قبر مشہور ہے۔

فقہ میں شیخ طوسی کی النہایہ نامی ایک کتاب ہے جو ماضی میں درسی نصاب

کی کتاب تھی۔ ان کی دوسری کتاب کا نام مبسوط ہے، جس نے فقہ کو ایک نئے مرحلے میں داخل کر دیا ہے اور اپنے زمانے میں شیعہ کی مفصل ترین کتاب رہی ہے۔ ان کی ایک اور کتاب الخلاف ہے۔ اس کتاب میں آپ نے شیعہ وسنی دونوں فرقوں کے فقہی نظریات بیان کیے ہیں۔ فقہ میں شیخ طوسی کی دوسری کتابیں بھی ہیں۔ تقریباً ایک صدی تک اگر متقدمین صرف ''شیخ'' کہتے تھے تو اس سے مراد شیخ طوسی ہی ہوتے تھے اور اگر ''شیخان'' کہتے تھے تو اس سے مراد شیخ مفید اور شیخ طوسی ہوتے تھے۔

شیخ طوسی ان چند مشہور شخصیتوں میں سے ہیں جن کا نام شروع سے آخر تک پوری فقہ میں لیا جاتا ہے۔ شیخ طوسی کا خاندان کئی نسل تک علماء وفقہا سے تعلق رکھتا رہا ہے۔ آپ کے بیٹے شیخ ابوعلی ملقب بہ مفید ثانی جلیل القدر فقیہ ہیں۔ مستدرک الوسائل ج ۳ ص ۴۸۹ کی روایت کے مطابق ان کی امالی نامی کتاب ہے اور اپنے والد کی کتاب النہایہ کی شرح بھی لکھی ہے۔

کتاب لؤلؤ البحرین کی روایت کے مطابق شیخ طوسی کی صاحب زادیاں فقیہ وفاضلہ تھیں۔ شیخ ابوعلی کے ایک فرزند شیخ ابوالحسن محمد ہیں۔ موصوف اپنے والد ابوعلی کے بعد حوزہ علمیہ کی قیادت ومرجعیت کے ذمہ دار قرار پائے۔ کتاب شذرات الذهب فی اخبار من ذهب جلد ۴ ص ۱۲۶۔ ۱۲۷ میں ابن عماد حنبلی کی روایت کے مطابق، اس عظیم شخصیت کے زمانے میں شیعہ دینی طالب علم دور دور سے آپ کے پاس آتے تھے۔ وہ خود بڑے پارسا اور زاہد وعالم شخص تھے۔ عماد طبری کا بیان ہے کہ اگر غیر انبیاء پر صلوات جائز ہوتی تو میں اس شخص پر صلوات

بھیجتا۔انہوں نے ۵۴۰ھ میں وفات پائی ہے۔[1]

۸۔قاضی عبدالعزیز حلبی معروف بہ ابن البراج۔سید مرتضی اور شیخ طوسی کے شاگرد ہیں۔شیخ طوسی کی طرف سے اپنے وطن شام بھیجے گئے۔شام کے شہر طرابلس میں بیس سال تک قاضی تھے۔۴۸۱ھ میں وفات پائی۔آپ کی جن فقہی کتابوں کا نام زیادہ لیا جاتا ہے،ان میں ایک مذھب اور دوسری جواہر ہے۔

۹۔شیخ ابوالصلح حلبی۔وہ بھی شامات کے رہنے والے ہیں۔سید مرتضیٰ و شیخ طوسی کے شاگرد ہیں اور ایک سو برس عمر پائی ہے۔**ویحانة الادب** میں ہے کہ وہ سالار بن عبدالعزیز (جن کا ذکر آگے آئے گا) بھی شاگرد تھے۔اگر یہ بات صحیح ہو تو ابو الصلاح نے تین طبقوں کی شاگردی اختیار کی ہوگی۔فقہ میں مشہور کتاب کافی ہے۔آپ نے ۴۴۷ھ میں وفات پائی ہے۔اگر ان کی عمر سو سال ہو اور انہوں نے ۴۴۷ھ میں وفات پائی ہو تو وہ اپنے دونوں استادوں سے بڑے تھے۔شہید ثانی نے انہیں خلیفة المرتضی فی البلاد الحلبیہ (حلب کے شہروں میں سید مرتضیٰ کا جانشین) کہا ہے۔

۱۰۔حمزہ بن عبدالعزیز دیلمی معروف بہ سلار دیلمی۔انہوں نے ۴۴۸ھ سے ۴۶۳ھ کے درمیان وفات پائی۔وہ ایران کے باشندے اور شیخ مفید و سید مرتضیٰ کے شاگرد ہیں۔تبریز کے علاقے خسرہ شاہ میں وفات پائی ہے۔فقہ میں ان کی مشہور کتاب مراسم ہے۔سالار اگرچہ شیخ طوسی کے شاگرد نہیں ہیں، بلکہ ان کے

---

[1] شیخ ابوعلی کے فرزند شیخ ابوالحسن سے متعلق کچھ حصہ میں نے اس یادداشت سے نقل کیا ہے جسے حبیب مکرم، محترم دانشور جناب شیخ نصراللہ شبستری تبریزی نے تحریر فرمایا ہے اور انہوں نے رجال شیخ طوسی پر علامہ سید محمد صادق آل بحرالعلوم کے مقدمہ سے نقل کیا ہے۔

ہم طبقہ ہیں، لیکن اس کے باوجود محقق علی نے کتاب ''المعتبر'' کے مقدمہ میں انہیں ''ابن الراج'' اور ابوالصلاح حلبی کو ''اتباع الثلاثۃ'' کے عنوان سے یاد کیا ہے۔ یعنی انہیں پیروؤں میں شمار کیا ہے جس سے بظاہر ان کا مقصد یہ ہے کہ تین افراد دوسری تین اشخاص (شیخ مفید، سید مرتضیٰ، شیخ طوسی) کے پیرو ہیں۔

۱۱۔ سید ابوالمکارم ابن زہرہ۔ حدیث میں ایک واسطہ سے شیخ الطائفہ کے بیٹے ابوعلی سے روایت کرتے ہیں اور فقہ میں چند واسطوں سے شیخ طوسی کے شاگرد ہیں۔ حلب کے رہنے والے ہیں اور ۵۸۵ھ میں وفات پائی ہے۔ فقہ میں ان کی مشہور کتاب غنیّۃ ہے۔ فقہاء کی اصطلاح میں جب بھی حلبیان کہا جاتا ہے تو اس سے مراد ابوالصلاح حلبی اور ابن زہرہ حلبی ہوتے ہیں اور جب کبھی حلبیون (صیغہ جمع کے ساتھ) استعمال ہوتا ہے تو اس سے مقصود ان دو افراد کے ساتھ ابن البراج بھی ہوتے ہیں کیونکہ وہ بھی حلب کے رہنے والے ہیں۔ کتاب مستدرک جلد ۳ ص ۵۰۶ میں شیخ طوسی کے حالات کے ضمن میں بیان ہونے والی باتوں کے مطابق ابن زہرہ نے شیخ طوسی کی کتاب ''النہایہ'' ابوعلی حسن ابن الحسین معروف بہ ابن الحاجب حلبی کے پاس پڑھی ہے۔ ابن الحاجب نے یہ کتاب نجف میں ابوعبداللہ زینوبادی سے اور انہوں نے شیخ رشید الدین علی بن زیرک قمی اور سید ابی ہاشم حسینی سے اور ان دونوں نے شیخ عبدالجبار رازی سے پڑھی ہے اور شیخ عبدالجبار، شیخ طوسی کے شاگرد ہیں۔ اس نقل کے مطابق ابن زہرہ چار واسطوں سے شیخ طوسی کے شاگرد ہیں۔

۱۲۔ ابن حمزہ طوسی معروف بہ عماد الدین طوسی۔ شیخ طوسی کے شاگردوں کے ہم طبقہ ہیں۔ بعض لوگوں نے انہیں شیخ طوسی کے شاگردوں کے شاگردوں کا ہم طبقہ جانا ہے اور بعض لوگوں نے ان کے عصر کو اور بھی زیادہ متاخر بتایا ہے جو مزید تحقیق کا محتاج ہے۔

ان کی وفات کا سنہ صحیح طور پر معلوم نہیں ہے۔شاید چھٹی صدی کے نصف دوم میں وفات پائی ہے۔خراسان کے باشندے ہیں اور فقہ میں ان کی مشہور کتاب کا نام وسیلہ ہے۔

۱۳۔ابن ادریس حلی۔عظیم شیعہ علماء میں سے ہیں۔وہ خود عرب ہیں اور شیخ طوسی ان کے مادری جد ہیں۔(البتہ کئی واسطے سے۔) ان کی آزاد فکری مشہور ہے۔انہوں نے اپنے جد شیخ طوسی کی ہیبت وصولت کا طلسم توڑا ہے۔وہ علماء وفقہاء پر توہین کی حد تک تنقید کرتے تھے۔۵۹۸ھ میں ۵۵ سال کی عمر میں وفات پائی۔ فقہ میں ان کی مشہور ونفیس کتاب کا نام سرائر ہے۔کہتے ہیں ابن ادریس، سید ابوالمکارم ابن زہرہ کے شاگردوں میں سے ہیں۔لیکن ابن ادریس نے السرائر کی کتاب الودیعہ میں جو تعبیریں استعمال کی ہیں، اس سے یہ پتہ چلتا ہے کہ وہ ابو المکارم بن زہرہ کے فقط ہم عصر تھے، ان سے ملاقات کی ہے اور بعض مسائل میں ان کے درمیان خط وکتابت بھی ہوئی ہے۔

۱۴۔شیخ ابوالقاسم جعفر بن حسن بن یحی بن سعید حلی معروف بہ محقق۔آپ نے فقہ میں بہت سی کتابیں لکھی ہیں۔چند کتابوں کے نام ملاحظہ فرمائیں: شرائع، معارج، معتبر، المختصر النافع وغیرہ۔محقق حلی ایک واسطہ سے ابن زہرہ اور ابن ادریس کے شاگرد ہیں۔کتاب الکنی والالقاب میں ابن نما کے احوال میں ہے کہ محقق کرکی نے محقق حلی کے اوصاف میں لکھا ہے: محقق (حلی) کے اساتذہ کے درمیان اعلم، محمد بن نما حلی ہیں اور ان کے سب سے اہم استاد ابن ادریس حلی ہیں۔

بظاہر محقق کرکی کا مقصد یہ ہے کہ ابن نما کے سب سے اہم اور عظیم استاد، ابن ادریس ہیں۔کیونکہ ابن ادریس نے ۵۹۸ھ میں وفات پائی اور محقق (حلی) نے ۶۷۶ھ میں وفات پائی ہے۔یقیناً محقق علی نے ابن ادریس کے حلقہ درس میں

شرکت نہیں کی ہے۔ ریحانۃ الادب میں ہے کہ محقق علی اپنے جد، والد، سید فخار بن معد موسوی اور ابن زہرہ کے شاگرد ہیں۔ یہ بھی صحیح نہیں ہے، کیونکہ محقق نے ابن زہرہ، جنھوں نے ۵۷۵ ھ میں وفات پائی ہے، کا زمانہ درک نہیں کیا۔ بعید نہیں کہ محقق (علی) کے والد ابن زہرہ کے شاگرد رہے ہوں۔

جیسا کہ بعد میں اس کا ذکر آئے گا کہ محقق حلی علامہ حلی کے استاد ہیں۔ فقہ میں کسی کو ان پر ترجیح نہیں دی جاتی۔ فقہاء کی اصطلاح میں جب کبھی بطور مطلق محقق کہا جائے تو اس سے مراد محقق حلی ہی ہوتے ہیں۔ عظیم ریاضی داں اور فلسفی خواجہ نصیر الدین طوسی نے آپ سے حلہ میں ملاقات کی ہے اور آپ کے درس فقہ میں شریک رہے ہیں۔ محقق کی کتابیں خاص طور سے شرائع، دینی طلبہ کے نصاب درس میں شامل تھی اور آج بھی ہے۔ بہت سے فقہاء نے محقق کی کتابوں کی شرح کی ہے یا ان پر حاشیہ لکھا ہے۔

۱۵۔ حسن بن یوسف بن علی بن مطہر حلی معروف بہ علامہ حلی۔ آپ کا شمار عجائب روزگار میں ہوتا ہے۔ فقہ، اصول، کلام، منطق، فلسفہ اور رجال وغیرہ میں کتابیں لکھی ہیں۔ اب تک آپ کی تقریباً سو مطبوعہ و قلمی کتابوں کا سراغ لگ سکا ہے۔ آپ کی بعض کتابیں جیسے تذکرۃ الفقہاء وغیرہ آپ کی غیر معمولی صلاحیت اور نبوغ کی نشان دہی کے لئے کافی ہیں۔ فقہ میں علامہ کی بہت سی کتابیں ہیں اور محقق حلی کی کتابوں کی طرح آپ کی اکثر کتابوں پر بھی بعد کے علماء نے شرح یا حاشیہ لکھا ہے۔ علامہ کی مشہور فقہی کتابیں یہ ہیں: ارشاد، تبصرۃ المتعلمین، قواعد، تحریر، تذکرۃ الفقہاء، مختلف الشیعہ منتہی۔ علامہ کے بہت سے استاد ہیں۔ وہ فقہ میں اپنے ماموں محقق حلی اور فلسفہ و منطق میں خواجہ نصیر الدین طوسی کے شاگرد ہیں۔ اہل سنت کی فقہ خود سنی علماء سے پڑھی ہے۔ علامہ ۶۴۸ ھ میں پیدا ہوئے اور ۷۲۶ ھ میں

ان کی وفات ہوئی۔

۱۶۔فخر المحققین۔ علامہ حلی کے فرزند ہیں۔ ۶۸۲ھ میں پیدا ہئے اور ۷۷۱ھ میں وفات پائی۔علامہ حلی نے تذکرۃ الفقھاء اور قواعد کے مقدمہ میں اپنے فرزند کا ذکر بڑی عظمت واحترام کے ساتھ بہت کیا ہے اور قواعد کے آخر میں یہ آرزو کی ہے کہ ان کا بیٹا ان کے بعد ادھورے کاموں کو پورا کرے۔فخر المحققین کی ایضاح الفواعد فی شرح مشکلات القواعد نامی ایک کتاب ہے۔ایضاح میں موجود فخر المحققین کے نظریات کو فقہی کتابوں میں اہمیت دی جاتی ہے۔

۱۷۔محمد بن مکی معروف بہ شہید اول۔فخر المحققین کے شاگرد ہیں اور عظیم شیعہ فقہاء میں شمار ہتے ہیں۔آپ محقق حلی وعلامہ حلی کے ہم پلہ ہیں۔جنوبی لبنان میں واقع تشیع کے قدیم ترین علاقے جبل عامل کے باشندے ہیں۔ یہ جگہ آج بھی تشیع کا ایک مرکز ہے۔شہید اول ۷۳۴ھ میں پیدا ہوئے اور ۷۸۶ھ میں ایک مالکی فقیہ کے فتویٰ اور شافعی فقیہ کی تائید وتصدیق سے شہید کئے گئے۔آپ علامہ حلی کے شاگردوں منجملہ فخر المحققین کے شاگرد ہیں۔ فقہ میں شہید اول کی مشہور کتاب ''اللمعہ'' ہے جسے آپ نے نہایت مختصر سے وقت میں اسی قید میں تحریر فرمایا ہے جو آپ کی شہادت پر ختم ہوئی اور عجیب یہ ہے کہ دوصدی کے بعد اس کتاب کی شرح اس عظیم فقیہ نے لکھی جس کا انجام بھی مؤلف ہی جیسا ہوا۔یعنی انہیں بھی شہید کیا گیا اور شہید ثانی کے لقب سے سرفراز ہوئے۔''شرح لمعہ'' شہید ثانی ہی کی تالیف کردہ ہے۔ یہ کتاب ہمیشہ دینی طلباء کے نصاب درس میں شامل رہی ہے۔شہید اول کی دوسری کتابیں یہ ہیں: دروس، ذکری، بیان، الفیہ، قواعد۔آپ کی تمام کتابیں فقہی آثار کا بہترین نمونہ ہیں۔محقق وعلامہ حلی کی کتابوں کی طرح شہید اول کی کتابوں پر بہت سے فقہاء نے شرح وحاشیہ لکھا ہے۔

شیعہ فقہاء کے درمیان مذکورہ تینوں شخصیات یعنی محقق حلی، علامہ حلی اور شہید اول جو ساتویں اور آٹھویں صدی سے تعلق رکھتےہیں، کی کتابوں نے فقہی متن کی حیثیت اختیار کرلی ہے اور دوسرے لوگوں نے ان کی شرح لکھی ہے یا ان پر حاشیہ لگایا ہے۔ ہمیں کوئی اور ایسا فقیہ نظر نہیں آتا جس کے آثار کو اتنی اہمیت دی گئی ہو۔ صرف گزشتہ صدی میں شیخ انصاری، جن کی وفات کو تقریباً ۱۳۰ سال گزر رہے ہیں، کی دو کتابوں کو یہ درجہ حاصل ہوا ہے۔

شہید اول کا خاندان، علم وفضل وفقہ کا خاندان تھا اور کئی نسل تک یہ شرف محفوظ رہا ہے۔ شہید کے تین بیٹے تھے اور تینوں عالم وفقیہ تھے۔ اسی طرح آپ کی بیوی ام علی اور بیٹی ام الحسن بھی فقیہ تھیں۔ شہید عورتوں کو بعض فقہی مسائل کے سلسلے میں ان ہی باعظمت خواتین کے پاس بھیجتے تھے۔ کتاب ریحانۃ الادب میں ہے کہ بعض بزرگوں نے شہید کی بیٹی فاطمہ کو ''شیخہ'' اور ''ست المشائخ'' یعنی سیدۃ المشائخ کا لقب دیا ہے۔

۱۸۔ فاضل مقداد۔ حلہ کے ایک دیہات ''سیور'' کے رہنے والے تھے۔ شہید اول کے جید شاگردوں میں شمار ہوتے تھے۔ فقہ میں ان کی مشہور کتاب جو چھپ چکی ہے اور آج بھی دسترس میں ہے، کنز العرفان ہے۔ یہ کتاب آیات الاحکام ہے۔ یعنی اس کتاب میں قرآن مجید کی ان آیتوں کی تفسیر کی گئی ہے اور فقہی انداز میں ان سے استدلال کیا گیا ہے، جن سے فقہی مسائل کا استنباط کیا جاتا ہے اور جو فقہ میں بیان ہوتی ہیں۔ آیات الاحکام میں شیعہ وسنی کے یہاں بہت سی کتابیں لکھی گئی ہیں لیکن فاضل مقداد کی کنز العرفان اس سلسلے کی بہترین کتاب ہے یا بہترن کتابوں م یں سے ایک ہے۔ فاضل مقداد نے ۸۲۶ ھ میں وفات پائی ہے۔ لہٰذا انہیں نویں صدی ہجری کے علماء میں شمار کیا گیا ہے۔

۱۹۔ جمال السالکین ابوالعباس احمد بن فہد حلی اسدی۔ آپ ۷۵۷ھ میں پیدا ہوئے اور ۸۴۱ھ میں وفات پائی۔ شہید اول اور فخر المحققین کے شاگردوں کے طبقہ میں ہیں۔ ان کے حدیث کے مشائخ، فاضل مقداد، شیخ علی بن الخازن فقیہ اور شیخ بہاء الدین علی بن عبدالکریم ہیں۔ بظاہر موصوف کے فقہی اساتذہ بھی یہی حضرات ہیں۔ ابن فہد معتبر فقہی کتابوں کے مولف ہیں جس میں المھذب البارع جو محقق حلی کی مختصر النافع کی شرح ہے، علامہ کی ارشاد کی شرح المقتصر اور شہید اول کی الفیہ کی شرح زیادہ مشہور ہیں۔ ابن فہد کی زیادہ تر شہرت اخلاق اور سیر وسلوک میں ہے۔ اس سلسلے میں ان کی مشہور کتاب عدۃ الداعی ہے۔

۲۰۔ شیخ علی بن ہلال جزائری۔ زاہد، متقی، جامع معقول ومنقول ہیں۔ ان کے روایت کے استاد ابن فہد حلی ہیں۔ بعید نہیں ہے کہ وہ وہی فقہ کے بھی استاد ہوں۔ کہتے ہیں کہ وہ اپنے زمانے میں شیعوں کے سربراہ اور شیخ الاسلام رہے ہیں۔ ان کے شاگرد محقق کرکی نے فقیہ و شیخ الاسلام کے عنوان سے ان کی تعریف کی ہے۔ ابن ابی جمہور احسائی نے بھی فقہ ان ہی کے پاس پڑھی ہے۔

سبق نمبر ۴

فقہ اور فقہاء کی مختصر تاریخ

(۳)

۲۱۔ شیخ علی بن عبدالعالی کرکی معروف بہ محقق کرکی یا محقق ثانی۔ آپ جبل عامل کے فقہاء میں سے ہیں اور شیعہ فقہاء کے درمیان بڑی عظمت کے مالک ہیں۔ شام و عراق میں اپنی تعلیم مکمل کی۔ اس کے بعد (شاہ طہماسب اول کے زمانے میں) ایران آئے اور یہاں پہلی مرتبہ شیخ الاسلامی کا منصب انہیں سونپا گیا۔ محقق کرکی کے بعد یہ منصب ان کے شاگرد شیخ علی منشار (شیخ بہائی کے خسر) کو ملا اور ان کے بعد یہ منصب شیخ بہائی کو دیا گیا۔ شاہ طہماسب نے محقق کرکی کے نام جو مشہور فرمان لکھا ہے، اس میں آپ کو تمام اختیارات سونپ دیئے اور درحقیقت محقق کرکی کو تمام اختیارات کا مالک اور اپنے کو ان کا نمائندہ جانا ہے۔ آپ کی مشہور کتاب جس کا فقہ میں بڑا چرچا ہے جامع المقاصد ہے۔ یہ کتاب علامہ حلی کی قواعد کی شرح ہے۔ آپ نے اس کے علاوہ محقق حلی کی مختصر النافع و شرائع اور علامہ حلی و شہید اول کی چند کتابوں پر حاشیہ بھی لگایا ہے یا ان کی شرح لکھی ہے۔

ایران میں محقق ثانی کی آمد اور قزوین پھر اصفہان میں حوزہ علمیہ کی تشکیل نیز فقہ میں جید شاگردوں کی تربیت باعث ہوئی کہ ایران عصر صدوقین کے بعد ایک مرتبہ پھر شیعہ فقہ کا مرکز بن گیا۔ محقق کرکی نے ۹۳۷ھ اور ۹۴۱ھ کے درمیان

وفات پائی۔ محقق کرکی علی بن ہلال جزائری کے شاگرد اور وہ ابن فہد علی کے شاگرد تھے اور ابن فہد حلی شہید اول کے شاگردوں، جیسے فاضل مقداد، کے شاگرد تھے۔ لہٰذا وہ دو واسطوں سے شہید اول کے شاگرد ہیں۔ محقق حلی کے فرزند شیخ عبدالعالی بن علی عبدالعالی بھی شیعہ فقہاء میں سے ہیں۔ انہوں نے علامہ کی ارشاد اور شہید کی الفیہ کی شرح لکھی ہے۔

۲۲۔ شیخ زین الدین معروف بہ شہید ثانی۔ آپ کا شمار صف اول کے شیعہ فقہاء میں ہوتا ہے۔ آپ ایک جامع شخصیت کے مالک اور مختلف علوم پر دسترس رکھتے تھے۔ جبل عامل کے باشندہ تھے۔ آپ کی چھٹی پشت کے جد، صالح ہیں جو علامہ حلی کے شاگرد تھے۔ بظاہر وہ طوس کے باشندہ تھے۔ اسی لئے شہید ثانی بعض اوقات الطوسی الشامی کے عنوان سے دستخط فرماتے تھے۔ شہید ثانی ۹۱۱ھ میں پیدا ہوئے اور ۹۶۶ھ میں شہید ہوئے۔ آپ نے بہت سفر کیا اور بہت سے اساتذہ کے سامنے زانوئے ادب تہ کیا۔ مصر، حجاز، دمشق، بیت المقدس، عراق اور استنبول تک گئے اور ہر خرمن سے خوشہ چینی کی۔ آپ کے صرف سنی اساتذہ کی تعداد بارہ ہے۔ اسی وجہ سے آپ ایک جامع شخصیت کے مالک تھے۔ فقہ و اصول کے علاوہ فلسفہ، عرفان طب اور نجوم سے بھی واقف تھے۔ بہت بڑے پایہ کے زاہد و متقی تھے۔ آپ کے شاگردوں نے آپ کے حالات کے بارے میں لکھا ہے کہ آپ معلمی کے زمانے میں رات کو اپنے کنبہ کا خرچ پورا کرنے کے لیے لکڑیاں ڈھوتے اور دن میں پڑھاتے تھے۔ ایک مدت تک بعلبک میں پانچ مذاہب (جعفری، حنفی، شافعی، مالکی اور حنبلی) کی فقہ پڑھاتے رہے ہیں۔ شہید نے بہت سی کتابیں لکھی ہیں۔ فقہ میں آپ کی مشہور ترین کتاب شرح لمعہ ہے (شہید اول کی لمعہ کی شرح اور دوسری کتاب مسالک الافہام ہے۔ یہ بھی محقق حلی کی شرائع کی

شرح ہے۔ شہید ثانی نے محقق کرکی سے (ان کے ایران آنے سے پہلے) تعلیم حاصل کی ہے۔ شہید ثانی ایران نہیں آئے ہیں۔ مشہور شیعہ عالم، صاحب معالم الاصول آپ ہی کے فرزند ہیں۔

۲۳۔ احمد بن محمد اردبیلی معروف بہ مقدس اردبیلی۔ آپ زہدوتقویٰ میں ضرب المثل ہیں اور شیعہ محقق فقہاء سے تعلق رکھتے ہیں۔ محقق اردبیلی نجف اشرف میں مقیم تھے اور شاہان صوفیہ کے ہم عصر ہیں۔ کہتے ہیں کہ شاہ عباس کا بڑا اصرار تھا کہ آپ ایران تشریف لائیں لیکن آپ نے منظور نہیں کیا۔ شاہ عباس کی بڑی خواہش تھی کہ مقدس اردبیلی اس سے کوئی خدمت لیں۔ چنانچہ ایک مرتبہ یہ اتفاق پیش آیا کہ کوئی شخص کسی جرم کی بناء پر ایران سے بھاگ کر نجف آیا اور مقدس اردبیلی سے درخواست کی کہ آپ شاہ عباس سے مجھے معاف کروا دیں۔ چنانچہ مقدس نے شاہ عباس کو اس مضمون کا ایک خط لکھا:

ملک عاریت کا بانی عباس یہ جان لے کہ یہ شخص اگرچہ پہلے ظالم تھا، لیکن اب مظلوم نظر آتا ہے۔ اگر تو اس کی غلطیوں کو معاف کردے تو شاید خدا بھی تیری ''کچھ'' غلطیاں معاف کردے۔ بندہ شاہ ولایت، احمد اردبیلی۔

شاہ عباس نے جواب میں لکھا:

عرض کرتا ہوں کہ جس خدمت کا آپ نے حکم دیا تھا، عباس نے اسے اپنے اوپر احسان سمجھتے ہوئے انجام دے دیا ہے۔ امید ہے کہ اس محب کو دعائے خیر سے فراموش نہیں فرمائیں گے۔ کلب آستانہ علی۔ عباس۔ [۱]

---

[۱] یہ واقعہ اگرچہ معتبر کتابوں میں موجود ہے لیکن مقدس اردبیلی کی وفات اور شاہ عباس کی تخت نشینی کے سن کے پیش نظر اس میں تامل کیا جا سکتا ہے۔ لہٰذا یہ محتاج تحقیق ہے۔

مقدس اردبیلی کا ایران نہ آنا، باعث ہوا کہ اصفہان کے حوزہ علمیہ کے مقابلے میں حوزہ علمیہ نجف ایک دوسرے مرکز کی حیثیت سے پھر زندہ ہو جائے۔ جس طرح شہید ثانی، ان کے بیٹے شیخ حسن صاحب معالم اور ان کے بھانجے سید محمد صاحب مدارک کا جبل عامل سے ہجرت کر کے ایران نہ آنا، شام اور جبل عامل کے حوزہ علمیہ کی بقاء کا باعث بنا اور یہ حوزہ ہائے علمیہ ٹوٹتے ٹوٹتے بچ گئے۔ صاحب معالم اور صاحب مدارک نے صرف اس لیے کہ کہیں ایران آ کر مروت اور شرما حضوری میں ایران میں رکنے پر مجبور نہ ہو جائیں، امام رضاؑ کی زیارت سے بھی چشم پوشی اختیار کی، اگرچہ وہ زیارت کے سخت مشتاق تھے۔

ہمیں ابھی تک یہ معلوم نہ ہو سکا کہ مقدس اردبیلی نے فقہ کی تعلیم کہاں اور کس سے حاصل کی۔ بس اتنا ہی جانتے ہیں کہ انہوں نے شہید ثانی کے شاگردوں سے فقہ پڑھی ہے۔ شہید ثانی کے فرزند (صاحب معالم) اور ان کے نواسے (صاحب مدارک) نجف میں ان کے شاگرد تھے۔ کتاب زندگی جلال الدین دوانی کے مصنف لکھتے ہیں:

ملا احمد اردبیلی مولانا عبداللہ شوشتری، مولانا عبداللہ یزدی، خواجہ افضل الدین ترکہ، میر فخر الدین ہماکی، شاہ ابو محمد شیرازی، مولانا میرزا جان اور میر فتح شیرازی، خواجہ جمال الدین محمود کے شاگردوں میں سے تھے اور وہ محقق جلال الدین دوانی کے شاگرد تھے۔ [1]

لیکن بظاہر مقدس اردبیلی نے خواجہ جمال الدین محمود سے معقولات کی تعلیم حاصل کی ہے، نہ کہ منقولات کی۔

---

[1] زندگی جلال الدین دوانی۔ تالیف فاضل محترم جناب علی دوانی

مقدس اردبیلی نے ۹۹۳ھ میں نجف اشرف میں وفات پائی۔ ان کی مشہور فقہی کتاب ایک شرح ارشاد ہے اور دوسری آیات الاحکام۔ آپ کے عمیق نظریات فقہاء کی توجہ کا مرکز ہیں۔

۲۴۔ شیخ بہاء الدین محمد عاملی معروف بہ شیخ بہائی۔ آپ بھی جبل عامل کے رہنے والے تھے۔ بچپنے میں اپنے والد شیخ حسین ابن عبدالصمد، جو شہید ثانی کے شاگرد ہیں کے ہمراہ ایران آگئے۔ چونکہ آپ نے مختلف ملکوں کا سفر کیا ہے، مختلف علوم میں بہت سے اساتذہ کے سامنے زانوئے ادب تہ کیا ہے اور غیر معمولی استعداد وصلاحیت رکھتے تھے، لہٰذا آپ ایک جامع شخصیت کے مالک بنے اور مختلف قسم کی کتابیں تالیف فرمائی ہیں۔ آپ ادیب بھی تھے اور شاعر بھی۔ فلسفی بھی تھے اور ریاضی داں بھی۔ انجینئر بھی تھے اور فقیہ بھی۔ طبیب بھی تھے اور مفسر بھی۔ آپ وہ پہلے شخص ہیں جنھوں نے فارسی زبان میں غیر استدلالی فقہی احکام کا پورا دورہ رسالہ عملیہ کی شکل میں لکھا ہے۔ یہ وہی کتاب ہے جو آج جامع عباسی کے نام سے مشہور ہے۔

چونکہ فقہ شیخ بہائی کا تخصصی موضوع نہ تھا اس لیے آپ کو صف اول کے فقہاء میں شمار نہیں کیا جاتا۔ آپ نے بہت سارے شاگردوں کی تربیت کی ہے۔ ملا صدرا شیرازی، ملا محمد تقی مجلسی اول، صاحب کتاب بحار الانوار علامہ مجلسی دوم کے والد، محقق سبزواری اور صاحب آیات الاحکام فاضل جواد آپ ہی کے شاگرد ہیں۔ جیسا کہ پہلے بھی اشارہ کر چکے ہیں، ایران میں شیخ الاسلامی کا منصب محقق کرکی کے بعد شیخ بہائی کے خسر شیخ علی منشار کو ملا اور ان کے بعد شیخ بہائی کو سونپا گیا۔ شیخ بہائی کی بیوی، شیخ علی منشار کی بیٹی بھی ایک عالم وفقیہ خاتون تھیں۔ شیخ بہائی نے ۹۵۳ھ میں آنکھیں کھولیں اور ۱۰۳۰ یا ۱۰۳۱ھ میں وفات پائی۔ ضمناً شیخ بہائی ایک سیاح

شخص بھی تھے۔آپ نے مصر،شام،حجاز،عراق،فلسطین،آذربائیجان اور ہرات کا سفر کیا تھا۔

۲۵۔ ملا محمد باقر سبزواری معروف بہ محقق سبزواری۔آپ سبزوار کے باشندے تھے اور اصفہان کے مکتب میں، جو فقہی مکتب بھی تھا اور فلسفی بھی، پرورش پائی ہے۔اسی لئے وہ جامع معقول ومنقول تھے۔فقہی کتابوں میں ان کا نام بہت آتا ہے۔فقہ میں ان کی مشہور کتاب ایک ذخیرہ اور دوسری کفایہ ہے۔کیونکہ وہ فلسفی بھی تھے، لہٰذا انہوں نے بوعلی سینا کی کتاب شفا کی الہیات پر حاشیہ بھی لکھا ہے۔ ۱۰۹۰ھ میں آپ نے وفات پائی۔محقق سبزواری نے شیخ بہائی اور مجلسی اول کے سامنے بھی زانوئے ادب تہ کیا ہے۔

۲۶۔ آقا حسین خوانساری معروف بہ محقق خوانساری۔آپ نے بھی اصفہان کے مکتب میں پرورش پائی ہے اور جامع معقول منقول ہیں۔آپ محقق سبزواری کے بہنوئی ہیں۔فقہ میں آپ کی مشہور کتاب کا نام مشارق الشموس ہے جو شہید اول کی کتاب دروس کی شرح ہے۔

محقق خوانساری نے ۱۰۹۸ھ میں وفات پائی۔وہ محقق سبزواری کے ہم عصر تھے اس طرح وہ ملا محسن فیض کاشانی اور ملا محمد باقر مجلسی کے بھی معاصر ہیں۔یہ دونوں حضرات عظیم محدثین میں شمار ہوتے ہیں۔

۲۷۔ جمال المحققین معروف بہ آقا جمال خوانساری۔آپ حسین خوانساری، جن کا ذکر گزر چکا ہے کے فرزند ہیں۔باپ کی طرح جامع معقول و منقول ہیں۔شرح لمعہ پر ان کا حاشیہ مشہور ہے۔بوعلی سینا کی شفا کی طبیعات پر بھی ایک مختصر سا حاشیہ لگایا ہے جو شفا، طبع تہران (سنگی چھاپ) کے حاشیہ پر چھپ چکا ہے۔آقا جمال دو واسطوں سے سید مہدی بحر العلوم کے استاد ہیں۔کیونکہ وہ سید

ابراہیم قزوینی کے استاد ہیں اور ابراہیم اپنے بیٹے سید حسین قزوینی کے استاد ہیں جو بحر العلوم کے اساتذہ میں سے ہیں۔

۲۸۔شیخ بہاء الدین اصفہانی معروف بہ فاضل ہندی۔آپ نے علامہ حلی کی قواعد کی شرح کی ہے اور اس کتاب کا نام کشف اللشام ہے۔اسی مناسبت سے خود انہیں بھی ''کاشف اللثام'' کہا جاتا ہے۔ان کے افکار و نظریات پر فقہاء کی بھرپور توجہ ہے۔آپ نے ۱۱۳۷ھ میں فتنہ افغان کے دوران وفات پائی۔فاضل ہندی بھی جامع معقول و منقول تھے۔

۲۹۔محمد باقر بن محمد اکمل بہبہانی معروف بہ وحید بہبہانی۔آپ سید صدر الدین رضوی قمی شارح وافیہ کے شاگرد ہیں اور وہ آقا جمال خوانساری کے شاگرد ہیں۔

وحید بہبہانی صفوی دور کے بعد کے ہیں۔صفویوں کے خاتمے کے بعد اصفہان کے حوزہ کی مرکزیت بھی ختم ہوگئی۔بعض علماء وفقہاء منجملہ وحید بہبہانی کے استاد سید صدر الدین رضوی قمی فتنہ افغان کے باعث عتبات (نجف وکربلا) ہجرت کر گئے۔

وحید بہبہانی نے کربلا کو اپنا مرکز بنایا اور بہت سے شاگرد پروان چڑھائے۔منجملہ سید مہدی بحر العلوم، شیخ جعفر کاشف الغطاء، میرزا ابو القاسم قمی صحب کتاب قوانین، حاج ملا مہدی نراقی، سید علی صاحب ریاض (شرح کبیر)، میرزا مہدی شہرستانی، سید محمد باقی شفتی اصفہانی معروف بہ حجت الاسلام، میرزا مہدی شہید مشہدی، سید جواد صاحب مفتاح الکرامتہ، سید محسن اعرجی۔

اس کے علاوہ آپ نے پیہم جہاد کیا، اجتہاد کا دفاع، اخباریت، جو اس زمانے میں اوج پر تھی، کا مقابلہ اور اس کی شکست نیز بہت سے جید شاگردوں کی

تربیت۔ یہ کارنامے سبب بنے کہ انہیں ''استاد الکل'' کے نام سے پکارا جائے۔ وہ تقویٰ میں حدکمال تک پہنچے ہوئے تھے اور آپ کے شاگرد آپ کا بڑا احترام کرتے تھے۔ وحید بہبہانی کا نسب مجلسی اول سے ملتا ہے۔ یعنی وہ (چند واسطوں سے) مجلسی اول کے نواسے ہیں۔ وحید بہبہانی کی جدہ آمنہ بیگم، مجلسی اول کی بیٹی ہیں۔ آمنہ بیگم جن کی شادی ملا صالح مازندرانی سے ہوئی تھی، فاضلہ وفقیہ خاتون تھیں۔ باوجودیکہ ان کے شوہر ملا صالح ایک جید عالم تھے، لیکن بعض اوقات آمنہ بیگم اپنے دانشور شوہر کی علمی گتھیاں سلجھایا کرتی تھیں۔

۳۰۔ سید مہدی بحرالعلوم۔ آپ وحید بہبہانی کے عظیم المرتبت وجلیل القدر شاگرد ہیں اور بڑے فقہاء کی صف میں شمار ہتے ہیں۔ فقہ میں ان کی نظم مشہور ہے۔ ان کے افکار ونظریات فقہاء کی نگاہ میں اہمیت رکھتے ہیں۔ بحرالعلوم سیر و سلوک کی منزلیں طے کرنے کی وجہ سے شیعہ علماء کے نزدیک غیر معمولی احترام رکھتے ہیں اور انہیں درجہ عصمت سے قریب مانا جاتا ہے۔ ان کی بہت سی کرامتیں بیان کی جاتی ہیں۔ کاشف الغطاء اپنے عمامہ کی تحت الحنک سے ان کی نعلین کا غبار صاف کیا کرتے تھے۔ بحرالعلوم ۱۱۵۴ یا ۱۱۵۵ھ میں پیدا ہوئے اور ۱۲۱۲ھ میں وفات پائی۔

۳۱۔ شیخ جعفر کاشف الغطاء۔ وحید بہبہانی اور ان کے شاگرد سید مہدی بحرالعلوم کے شاگرد ہیں۔ وہ عرب تھے اور فقہ میں غیر معمولی مہارت رکھتے تھے۔ فقہ میں ان کی مشہور کتاب کا نام کشف العطاء ہے۔ نجف میں رہتے تھے اور بہت سے شاگردوں کی تربیت کی ہے۔ سید جواد صاحب مفتاح الکرامہ اور شیخ محمد حسن صاحب جواہر الکلام، ان کے شاگردوں میں سے ہیں۔ آپ کے چار بیٹے تھے۔ چاروں فقیہ ہوئے۔ کاشف الغطا فتح علی شاہ (قاچار) کے ہم عصر ہیں۔ کشف الغطاء

کے مقدمہ میں اس کی تعریف کی ہے۔ ۱۲۲۸ھ میں وفات پائی ہے۔ فقہ میں کاشف الغطاء کے نظریات بڑی گہرائی اور باریکی کے حامل ہیں اور انہیں تعظیم کے ساتھ یاد کیا جاتا ہے۔

سبق نمبر ۵

فقہ اور فقہاء کی مختصر تاریخ

(۴)

۳۲۔ شیخ محمد حسن۔ صاحب کتاب جواہر الکلام جو کہ محقق کی کتاب شرائع کی شرح ہے اور اسے شیعہ فقہ کا انسائیکلو پیڈیا کہا جا سکتا ہے۔ آج کوئی یفقیہ اپنے کو جواہر الکلام سے بے نیاز نہیں سمجھتا۔ یہ کتاب بار بار سنگی چھاپ پر طبع ہو چکی ہے اور اب حروفی چھاپ اور وزیری سائز میں تقریباً پچاس جلدوں میں منظر عام پر آنے والی ہے۔ (آ چکی ہے۔م) ہر جلد میں تقریباً چار سو صفحے ہوں گے۔یعنی کل ۲۰ ہزار صفحے۔ ''جواہر'' مسلمانوں کی عظیم ترین فقہی کتاب ہے اور اس نکتہ کو مدنظر رکھتے ہوئے کہ اس کی ہر سطر میں علمی مطالب موجود ہیں اور اس کے صرف ایک صفحہ کے مطالعہ میں خاصا وقت صرف ہوتا ہے، یہ اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ اس بیس ہزار صفحہ کی کتاب تالیف کرنے میں کتنا وقت اور توانائی صرف ہوئی ہوگی۔آپ نے ۳۰ سال تک مسلسل محنت کی، جب کہیں یہ عظیم شاہکار وجود میں آ سکا۔ یہ کتاب آپ کی غیر معمولی استعداد، نبوغ، ہمت، ثبات قدم اور اپنے کام سے ایک انسان کے عشق و ایمان کی آئینہ دار ہے۔صاحب جواہر، کاشف الغطاء کے شاگرد ہیں اور ان کے شاگرد سید جواد صاحب مفتاح الکرامہ ہیں اور نجف میں خود ان کا حلقہ درس بڑا عظیم تھا۔آپ نے بہت سے شاگردوں کی تربیت فرمائی

ہے۔ صاحب جواہر عرب تھے اور اپنے زمانے میں پورے شیعوں کے مرجع قرار پائے۔ آپ نے ۱۲۶۶ھ میں (جو ایران میں ناصر الدین شاہ قاچار کی تخت نشینی کا زمانہ تھا) وفات پائی۔

۳۳۔ شیخ مرتضیٰ انصاری۔ آپ کا نسب، رسول خداؐ کے عظیم المرتبت صحابی جابر بن عبداللہ انصاری سے ملتا ہے۔ آپ دزفول میں پیدا ہوئے اور ۲۰ سال کی عمر تک اپنے والد کے پاس پڑھتے رہے۔ اس کے بعد والد کے ہمراہ عتبات (نجف و کربلا) تشریف لے گئے۔ جب وہاں کے علماء نے آپ کی غیر معمولی صلاحیت و ذہانت دیکھی تو ان کے والد سے کہا کہ انہیں یہاں سے نہ لے جایئے۔ آپ نے عراق میں چار سال تک قیام فرمایا اور وہاں کے بڑے بڑے اساتذہ کے سامنے زانوئے ادب تہ کیا۔ اس کے بعد کچھ ناگوار حوادث کے پیش نظر وطن واپس چلے آئے۔ دو سال کے بعد پھر عراق گئے اور دو سال وہاں مزید تعلیم حاصل کرنے کے بعد ایران واپس چلے آئے اور ایران کے مختلف شہروں میں مقیم علماء سے استفادہ کیا۔ چنانچہ مشہد کی زیارت کے لیے روانہ ہوئے اور راستہ میں شہر کاشان میں ''مستند الشیعہ'' اور ''جامع السعادۃ'' کے مصنف اور حاج ملا مہدی نراقی کے فرزند حاج ملا احمد نراقی سے ملاقات کی۔ نراقی سے ملاقات نے آگے بڑھنے کے ارادہ کو کاشان میں قیام سے تبدیل کر دیا۔ تین سال تک کاشان میں ملا احمد نراقی سے استفادہ کرتے رہے۔ اس کے بعد مشہد تشریف لے گئے اور پانچ ماہ وہاں قیام کیا۔ شیخ انصاری ایک مرتبہ اصفہان اور ایک مرتبہ بروجرد بھی گئے ہیں اور ان تمام سفروں کا مقصد اساتذہ سے ملاقات اور ان سے بہرہ مند ہونا تھا۔ تقریباً ۱۲۵۲ھ یا ۱۲۵۳ھ میں پھر ی مرتبہ عتبات گئے اور وہاں تدریس میں مشغول ہوگئے۔ صاحب جواہر کے بعد شیعوں کے مرجع قرار پائے۔

شیخ انصاری کو **خاتم الفقهاء و المجتهدین** کا لقب دیا گیا ہے۔ وہ ان لوگوں میں سے ہیں جو فکر و نظر کی گہرائی میں کم نظیر ہیں۔ آپ نے علم اصول اور اس کے ساتھ فقہ کو ایک نئے مرحلہ میں داخل کر دیا۔ فقہ و اصول میں آپ نے کچھ ایسی جدت پیدا کی ہے، جس کی مثال نہیں ملتی۔ آپ کی دو مشہور کتابیں ''رسائل'' و ''مکاسب'' دینی طلبہ کے نصاب درس میں شامل ہیں۔ آپ کے بعد کے علماء آپ ہی کے مکتب کے شاگرد و پیرو ہیں۔ آپ کے بعد آپ کی کتابوں پر بہت سے علماء نے حاشیے لگائے ہیں۔ محقق حلی و علامہ حلی اور شہید اول کے بعد شیخ انصاری وہ واحد شخص ہیں جن کے بعد ان کی کتابوں پر علماء حاشیہ لگا رہے ہیں یا ان کی شرح لکھ رہے ہیں۔

آپ کا زہد و تقویٰ بھی زبان زد خاص و عام اور ضرب المثل ہے اور اس کے بہت سے قصے بیان کیے جاتے ہیں۔ شیخ انصاری نے ۱۲۸۱ھ میں نجف میں وفات پائی اور وہیں دفن کئے گئے۔

۳۴۔ حاج میرزا محمد حسن شیرازی معروف بہ میرزا شیرازی بزرگ۔ آپ نے ابتداء میں اصفہان میں تعلیم حاصل کی، پھر نجف اشرف تشریف لے گئے اور وہاں صاحب جواہر کے حلقۂ درس میں شریک ہوئے۔ اس کے بعد شیخ کے درس میں شرکت کی اور ان کے جید وصف اول کے شاگردوں میں شمار ہونے لگے۔ شیخ انصاری کے بعد شیعوں کے مرجع قرار پائے اور تقریباً ۲۳ سال تک سارے شیعوں کے واحد مرجع رہے۔ یہ آپ ہی تھے جنہوں نے تمباکو کو حرام قرار دے کر ''رژی'' نامی مشہور سامراجی معاہدہ کو منسوخ کروا دیا۔ آپ کے حلقہ درس میں بہت سے شاگرد پروان چڑھے ہیں، جیسے آخوند ملا کاظم خراسانی، سید محمد کاظم طباطبائی یزدی، حاج آقا رضا ہمدانی، حاج میرزا ن حسین سبزواری

سید محمد فشارکی اصفہانی، میرزا محمد تقی شیرازی وغیرہ۔آپ کا کوئی قلمی اثر باقی نہیں بچاہے،لیکن بعض اوقات آپ کے نظریات مورد بحث قرار پاتے ہیں۔ ۱۳۱۲ھ میں وفات پائی۔

۳۵۔آخوند ملا محمد کاظم خراسانی۔ ۱۲۵۵ھ میں مشہد کے ایک غیر مشہور گھرانے میں پیدا ہوئے اور ۲۲ سال کی عمر میں ہجرت کر کے تہران آ گئے۔یہاں کچھ عرصہ تک فلسفہ پڑھتے رہے۔اس کے بعد نجف چلے گئے۔دو سال شیخ انصاری کے درس میں شریک رہئے،لیکن آپ نے زیادہ تر تعلیم میرزا شیرازی سے حاصل کی۔میرزا شیرازی نے ۱۲۹۱ھ میں سامرا کو اپنی قیام گاہ بنایا لیکن آخوند خراسانی نجف سے دور نہیں ہوئے اور خود آپ نے اپنا حلقہ درس تشکیل دے لیا۔آپ نہایت کامیاب اساتذہ میں شمار ہتے ہیں۔تقریباً بارہ سو شاگرد آپ کے درس سے استفادہ کرتے تھےاوران میں سے تقریباً دوسوافراد خود مجتہد تھے۔

عصر آخر کے فقہاء جیسے سید ابوالحسن اصفہانی، حاج شیخ محمد حسین اصفہانی، حاج آقا حسین بروجردی، حاج آقا حسین قمی اور حاج آقا ضیاءالدین عراقی، سب آپ کے شاگرد تھے۔آخوند خراسانی کی زیادہ تر شہرت علم اصول میں ہے۔آپ کی کتاب کفایۃ الاصول ایک اہم درسی کتاب ہےاوراس پر بہت سے حاشیے لکھے گئے ہیں۔آخوند خراسانی کے اصولی نظریات دینی وعلمی مدرسوں مس ی ہمیشہ بحث وگفتگو کا موضوع بنے رہتے ہیں۔آخوند خراسانی وہی ہستی ہیں جس نے مشروطیت کی ضرورت کا فتویٰ دیااوراایران کی مشروطیت ان ہی کی رہین منت ہے۔آپ نے ۱۳۲۹ھ میں وفات پائی۔

۳۶۔حاج میرزا حسین نائینی۔آپ چودھویں صدی کے عظیم ترین فقہاء واصولیوں میں شمار ہوتے ہیں۔آپ نے میرزا شیرازی اور سید محمد فشارکی کے

سامنے زانوئے ادب تہ کیا ہے اور خود بھی ایک اعلیٰ مقام استاد بنے۔ ان کی زیادہ تر شہرت علم اصول میں ہے۔ آپ نے آخوند خراسانی سے علمی مقابلہ کیا ہے اور علمی اصول میں اپنے جدید نظریات پیش کیے ہیں۔ ہمارے زمانے کے بہت سے فقہاء آپ ہی کے شاگرد ہیں۔ تنزیہ الآمۃ یا حکومت دراسلام نامی آپ کی ایک کتاب فارسی زبان میں بھی ہے۔ یہ کتاب آپ نے مشروطیت اور اس کی اسلامی بنیادوں کے دفاع میں لکھی ہے۔ آپ نے ۱۳۵۵ھ میں نجف میں وفات پائی۔

مختصر جائزہ

ہم نے غیبت صغریٰ سے اب تک جبکہ چودھویں ہجری اپنے اختتام سے نزدیک ہورہی ے، مجموعی طور پر ۱۳۶ اہم فقہاء کا تعارف پیش کیا ہے اور صرف ان ہی ہستیوں کا ذکر کیا ہے جو فقہ واصول کی دنیا میں زیادہ شہرت رکھتی ہیں۔ یعنی ان کے زمانے سے آج تک ہمیشہ ان کا نام کتابوں اور درسوں میں لیا جا تا رہا ہے۔ البتہ ضمنی طور پر ان ۳۶ شخصیتوں کے علاوہ کچھ دوسرے بزرگوں کا بھی تذکرہ ہوا ہے۔ یہاں تک ہم نے جو کچھ بیان کیا ہے، اس سے چند نکتے واضح ہوجاتے ہیں۔

الف۔ تیسری صدی سے آج تک، فقہ ایک پیہم و مسلسل زندگی کی حامل رہی ہے اور یہ سلسل کبھی نہیں ٹوٹا۔ ان ساڑھے گیارہ سو سال کے دوران حوزہ ہائے فقہی بلا وقفہ اپنا کام کرتے رہے ہیں۔ اس مدت میں استاد وشاگردی کا رابطہ کبھی بھی منقطع نہیں ہوا۔ مثلاً اگر اپنے استاد معظم آیۃ اللہ بروجردی مرحوم سے شروع کروں تو ان کے فقہی اساتید کا سلسلہ مسلسل طور پر ائمہ اطہارؑ کے دور تک بیان کرسکتا ہوں۔ اس طرح کی ساڑھے گیارہ سو سالہ مسلسل پیہم حیات، اسلامی تہذیب وثقافت کے سوا کسی دوسرے تہذیب وثقافت میں نہیں مل سکتی۔ اس طرح کا صحیح معنوں میں

ثقافتی تسلسل کہ ایک ہی روح، ایک ہی زندگی کسی وقفہ کے بغیر منظم و مرتب اور پیہم طبقوں کو اتنی طویل تاریخ میں ایک دوسرے سے مربوط کرے اور ایک ہی روح سب پر حاکم ہو، اسلامی تہذیب و ثقافت کے سوا کہیں اور نہیں مل سکتا۔ دوسری تہذیبوں اور ثقافتوں میں بعض اوقات اس سے بھی طولانی تاریخ مل جاتی ہے لیکن ساتھ ہی ان میں جابجا وقفے اور ٹھہراؤ بھی نظر آتے ہیں۔

جیسا کہ ہم نے اس سے پہلے بھی یاددہانی کرائی ہے۔ اگر ہم نے تیسری صدی کو جہاں سے غیبت صغریٰ شروع ہوتی ہے، تاریخ فقہ کا مبدا قرار دیا ہے تو اس کی وجہ یہ نہیں ہے کہ شیعہ فقہ نے تیسری صدی میں جنم لیا ہے، بلکہ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس سے پہلے کا زمانہ آئمہ اطہار علیہم اسلام کے ظہور کا زمانہ ہے اور شیعہ فقہاء آئمہ اطہارؑ کے پرنور چہروں کے سامنے ماند پڑ گئے ہیں۔ ان کا کوئی مستقل وجود نہیں ہے۔ ورنہ شیعوں کے یہاں اجتہاد و فقہات کا آغاز اور فقہی کتابوں کی تالیف کی ابتداء عہد صحابہ ہی میں ہوگئی تھی۔ جیسا کہ عرض کر چکا ہوں، پہلی کتاب علی ابن ابی رافع (امیر المومنین علیؑ کے دور خلافت میں آپؐ کے کاتب وخزانچی عبداللہ بن ابی رافع کے بھائی) نے لکھی ہے۔

ب۔ بعض لوگوں کے گمان کے برخلاف شیعہ علوم و معارف، منجملہ شیعہ فقہ، صرف ایرانی فقہاء کے ہاتھوں ہی تدوین نہیں ہوئی ہے، ایرانی وغیر ایرانی دونوں اس میں شریک ہیں۔ دسویں ہجری اور صفویوں کے دور سے پہلے اکثر فقہاء غیر ایرانی ہیں۔ صرف صوفیوں کے درمیانی عہد کے بعد ایرانی فقہاء کا غلبہ ہوا ہے۔

ج۔ صفویوں سے پہلے فقہ و فقاہت کا مرکز بھی ایران میں نہ تھا۔ پہلے بغداد، شیعہ فقہ کا مرکز تھا۔ اس کے بعد شیخ طوسی کے ہاتھوں نجف مرکز قرار پایا۔ کچھ عرصہ کے بعد جبل عامل (موجودہ لبنان کا جنوبی خطہ) مرکز بن گیا۔ اس کے بعد اور

کچھ عرصہ اس کے ہمراہ عراق کا ایک چھوٹا سا شہر حلقہ فقہ وفقاہت کا مرکز بنا رہا۔ ایک عرصہ حلب (شام کے مضافات میں واقع شہر) بھی بڑے اور جید فقہاء کا مرکز رہا ہے۔ یہ صفویوں کے دور کی بات ہے کہ فقہ کی مرکزیت اصفہان کو ملی اور اسی زمانہ میں مقدس اردبیلی اور کچھ دوسرے بزرگوں کے ذریعے نجف کے حوزہ علمیہ نے نئی زندگی پائی اور یہ حیات آج تک باقی ہے۔ ایرانی شہروں میں سے صرف قم ابتدائی اسلامی صدیوں ہی میں یعنی اسی وقت جب بغداد اسلامی فقہاہت کا مرکز تھا، علی بن بابویہ، محمد بن قولویہ جیسے فقہاء کے ہاتھوں ایک فقہی مرکز بن گیا تھا اور قاچاری دور میں یہ مرکز میرا ابوالقاسم قمی صاحب قوانین کے ہاتھوں دوبارہ زندہ ہوا اور پھر ۱۳۴۰ھ حاج شیخ عبدالکریم یزدی نے اس کے مردہ جسم میں ایک نئی روح پھونکی اور آج قم شیعوں کے دو عظیم فقہی مرکزوں میں سے ایک مرکز مانا جاتا ہے۔

اس بنیاد پر کبھی بغداد، کبھی نجف، کبھی جبل عامل، کبھی حلب، کبھی حلہ، کبھی اصفہان اور کبھی قیم فقہ اور عظیم فقہاء کے نشاط اور سعی وکوشش کا مرکز رہا ہے۔ اس طویل تاریخ، خاص طور سے صفویوں کے بعد ایران کے دوسرے شہروں جیسے مشہد، ہمدان، شیراز، یزدکاشان، تبریز، زنجان قزوین اورتون (موجودہ فردوس) میں عظیم اور معتبر دینی مدرسے قائم رہے ہیں لیکن قم و اصفہان اور ایک مختصر سے عرصے کے لیے کاشان کے سوا ایران کا کوئی بھی شہر صف اول کے فقہاء کا مرکز نہیں رہا ہے اور اعلیٰ یا اعلیٰ ترینوں میں سے ایک فقہی حوزہ نہیں مانا گیا۔ ان شہروں کی علمی وفقہی نشاط کی بہترین دلیل ان ہی اعلیٰ تاریخی مدارس کا وجود ہے جو مذکورہ تمام شہروں میں موجود ہیں اور ماضی کے علمی جوش وخروش کی یادگار رہے۔

د۔ صفوی ایران کی راہ وروش میں اہم کردار جبل عامل کے فقہاء نے ادا کیا ہے۔ جیسا کہ آپ جانتے ہیں، صفویہ درویش تھے۔ ابتداء میں ان لوگوں نے

اپنی مخصوص درویشانہ سنت کی بنیاد پر جو روش اختیار کی تھی، اگر وہ جبل عامل کے فقہاء کی عمیق فقہی روش کے ذریعے متوازن نہ ہوتی اور اگر ان فقہاء کے ہاتھوں ایران میں عمیق فقہی مدرسوں کی بنیاد نہ پڑتی تو وہ آخر میں وہی شکل اختیار کرتی جو شام اور ترکی میں علویوں نے اختیار کی ہے۔ ان فقہاء کی روش نے بہت اہم اثر چھوڑا کہ اولاً ایرانی قوم اور حکومت کی عمومی روش اس قسم کے انحرافات سے محفوظ ہوگئی اور ثانیاً شیعی تصوف وعرفان نے بھی ایک معتدل راستہ اختیار کیا۔ چنانچہ محقق کرکی اور شیخ بہائی وغیرہ جیسے جبل عامل کے فقہاء نے اصفہان کے فقہی مرکز کی بنیاد رکھ کر اس ملک کے عوام پر بڑا احسان کیا ہے۔

ھ۔ جیسا کہ شکیب ارسلان نے لکھا ہے، تشیع جبل عامل میں ایران سے پہلے داخل ہوا ہے اور یہ ان لوگوں کے نظریات کو رد کرنے کے لیے ایک قطعی ویقینی دلیل ہے جو تشیع کو ایرانیوں کی اختراع بتاتے ہیں۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ لبنان میں شیعیت، پیغمبر اسلامؐ کے عظیم مجاہد صحابی ابوذر غفاری کے ذریعے پھیلی ہے۔ [1] ابوذر نے قدیم شام میں قیام کے دوران، جس میں موجودہ لبنان یا اس کا ایک حصہ بھی شامل تھا، معاویہ اور دوسرے امویوں کی ثروت اندوزی کے خلاف جہاد کے ہمراہ تشیع کے پاک وپاکیزہ مذہب کی بھی تبلیغ کی تھی۔

[1] دانشکدہ الٰہیات مشہد کے نشریہ میں جناب واعظ زادہ کا مقالہ 'چند اسلامی عربی ملکوں کا سفر' ماخوذ از 'جبل عامل فی التاریخ'۔

سبق نمبر ٦

فقہ کے اہم ابواب و مسائل

(ا)

فقہ کا مختصر تعارف حاصل کرنے کے لیے اس کے اہم مسائل اور ابواب سے واقفیت ضروری ہے۔ ہم پہلے بتا چکے ہیں کہ فقہ کا دائرہ بہت وسیع ہے۔ کیونکہ اس میں وہ تمام موضوعات شامل ہیں، جن کے بارے میں اسلام نے عملی حکم دیا ہے۔

اسلامی تعلیمات کے درمیان صرف اسلامی معارف اور اسلامی تربیت و اخلاق ہے، جو فقہ کے دائرہ سے باہر ہے۔ فقہ کے دائرہ میں جو چیزیں بیان ہوئیں ہیں وہ آج متعدد و متنوع علوم میں مورد بحث ہیں اور ان کے بارے میں تحقیق و جستجو کی جاتی ہے۔

وہ پہلی بات جس کی یاد آوری ضروری ہے، یہ ہے کہ آیا یہ وسیع فقہی مسائل، صحیح بنیادیوں پر منظم طریقہ سے تقسیم ہوئے ہیں؟ جواب یہ ہے کہ نہیں۔ ایسا نہیں ہے۔ مشہور تقسیم وہی ہے جو صاحب شرائع محقق حلی نے اپنی کتاب شرائع میں پیش کی ہے اور شہید اول نے اپنی کتاب قواعد میں اس کے بارے میں مختصر سی توضیح دی ہے اور تعجب تو یہ ہے کہ شرائع کے زبردست شارحین نے، جیسے شہید ثانی نے مسالک میں، ان کے نواسے سید محمد نے مدارک میں اور شیخ محمد حسن نجفی نے جواہر

میں، محقق کی تقسیم کے بارے میں کوئی معمولی سی بھی وضاحت نہیں کی ہے۔خود شہید اول نے بھی کتاب لمعہ میں محقق کے اسلوب کی پیروی نہیں کی ہے۔

بہر حال محقق کی تقسیم کچھ اس طرح ہے کہ انہوں نے فقہ کے ابواب چار حصوں میں تقسیم کیے ہیں:

۱۔عبادات۔

۲۔عقود۔

۳۔ایقاعات۔

۴۔احکام۔

اس تقسیم کی بنیاد یہ ہے کہ جن کاموں کو انسان کو شرعی معیار کے مطابق انجام دینا چاہیے یا وہ ایسے امور ہیں جن میں خدا سے تقرب کی نیت شرط ہے، یعنی وہ کام صرف اور صرف خدا کے لیے انجام پانے چاہئیں اور اگر کوئی دوسری غرض و غایت شامل ہو جائے تو وہ اعمال باطل ہوں گے اور بجا لانے والا بری الذمہ نہ ہوگا، اسے وہ اعمال دوبارہ بجا لانا ہوں گے یا یہ اعمال اس طرح کے نہیں ہیں۔ (یعنی ان میں قصد قربت شرط نہیں ہے)۔

اگر اعمال پہلی قسم کے ہوں تو وہ 'عبادات' کہلاتے ہیں۔ جیسے نماز، روزہ، خمس، زکوۃ حج وغیرہ۔فقہ میں اس قسم کے اعمال کو ''عبادات'' کہتے ہیں۔

لیکن اگر اس کا تعلق دوسری قسم سے ہو، یعنی اس کے صحیح ہونے میں قصد قربت شرط نہ ہو اور بالفرض اگر اسے کسی اور نیت سے انجام دیا جائے، پھر بھی صحیح ہے تو اس قسم کے اعمال کی بھی دو قسمیں ہیں: یا اس کا وقوع کسی خاص صیغہ کے اجراء پر موقوف ہے یا نہیں۔ اگر کسی خاص صیغہ کے اجراء پر موقوف نہ ہو تو اسے احکام کہتے ہیں۔ جیسے میراث، حدود، دیات وغیرہ اور اگر کسی خاص صیغہ کے اجراء

پر موقوف ہوتو خود اس کی بھی دو قسمیں ہیں: یا یہ کہ صیغہ طرفین کے ذریعے انجام پانا چاہیے، ایک طرف سے ایجاب ہو دوسری طرف سے قبول یا یہ کہ طرفین کی ضرورت نہیں ہے صرف ایک طرف سے صیغہ کا اجراء کافی ہے۔

اگر اس کا تعلق پہلی قسم سے ہوتو اس کا نام ''عقد'' ہے۔ جیسے بیع، اجارہ اور نکاح کہ ایک فریق ایجاب کرتا ہے اور دوسرا فریق قبول کرتا ہے اور اگر صرف ایک فریق صیغہ جاری کرے دوسرے فریق کی ضرورت نہ ہوتو اس کا نام ''ایقاع'' ہے، جیسے ''ابراء'' یعنی اپنے مطالبات سے چشم پوشی کر لینا یا طلاق وعتق (غلام آزاد کرنا) وغیرہ۔ ہم بعد میں اس تقسیم اور دوسری تقسیموں کے بارے میں بحث کریں گے۔

محقق حلی نے اپنی اس تقسیم میں پوری فقہ کو ۸۴ ابواب میں تقسیم کیا ہے۔ دس باب عبادات میں، پندرہ باب عقود میں، گیارہ باب ایقاعات میں، بارہ باب احکام میں ہیں لیکن بعد میں ہم دیکھیں گے کہ یہ تقسیم درہم برہم ہوگئی ہے۔

ضمناً یہ نکتہ بھی مخفی نہ رہے کہ پہلی اور دوسری صدی ہجری میں جو کتابیں لکھی جاتی تھیں وہ صرف ایک یا چند فقہی موضوعات سے تعلق رکھتی تھیں، فقہ کے سارے موضوعات پر مشتمل نہیں ہوتی تھیں۔ مثلاً حالات زندگی سے متعلق کتابوں میں یہ نظر آتا ہے کہ فلاں شخص نے نماز کے بارے میں یہ کتاب لکھی ہے۔ فلاں نے اجارہ سے متعلق لکھی ہے اور فلاں نے نکاح کے سلسلے میں کتاب لکھی ہے۔ اسی لیے بعد کے زمانوں میں بھی جب فقہی جوامع (یعنی وہ کتاب جس میں فقہ کے تمام موضوعات موجود ہیں) لکھے گئے تو فقہ کے ہر باب کو ''کتاب'' کے نام سے یاد کیا گیا۔ رسم یہی ہے کہ ''باب الصلوٰۃ'' یا ''باب الحج'' لکھنے کے بجائے ''کتاب الصلوٰۃ'' اور یا ''کتاب الحج'' لکھتے ہیں۔

اب ہم فقہ کے اہم مسائل و ابواب محقق حلی کی شرائع کی ترتیب کے

مطابق، ان ہی کی کتاب سے ذکر کر رہے ہیں۔

عبادات

محقق عبادات سے متعلق دس کتابوں (ابواب) کو اس ترتیب سے ذکر کرتے ہیں:

۱۔ کتاب الطہارت: طہارت کی دو قسمیں ہیں۔ خبث یا ظاہری جسمانی اور عارضی نجاستوں سے طہارت اور حدث، یعنی معنوی اور فطری آلودگیوں سے طہارت۔ خبث سے طہارت سے مراد کپڑے، بدن اور دوسری چیزوں کو ان دس چیزوں سے پاک کرنا جنہیں فقہی اصطلاح میں نجاسات کہا جاتا ہے۔ جیسے پیشاب، پاخانہ، منی، مردار وغیرہ۔ حدث سے طہارت سے مراد وضو و غسل اور تیمم ہے جو نماز و طواف جیسی عبادتوں کے لیے شرط ہے اور یہ طہارت نیند، پیشاب، جنابت وغیرہ جیسے کچھ فطری اعمال کے ذریعے زائل ہو جاتی ہے اور اسے پھر سے بجا لانا ضروری ہوتا ہے۔

۲۔ کتاب الصلوٰۃ: اس کتاب میں واجب نمازوں یعنی نماز پنجگانہ، نماز عیدین نماز میت، نماز آیات، نماز طواف اور نافلہ نمازوں یعنی مستحب نمازوں جیسے نماز پنجگانہ کے نوافل وغیرہ اور نماز کی شرائط، ارکان، مقدمات، موانع اور مبطلات وغیرہ نیز نماز کی مختلف قسموں جیسے نماز حاضر، نماز مسافر، نماز فرادی، نماز جماعت، نماز ادا، نماز قضا کے بارے می تفصیل سے بحث ہوتی ہے۔

۳۔ کتاب الزکوٰۃ: زکوٰۃ ٹیکس جیسی ایک طرح کی مالی ادائیگی ہے۔ جو ان نو چیزوں پر عائد ہوتی ہے: سونا، چاندی، گیہوں، جو، خرما، کشمش، گائے، گوسفند، اونٹ۔ فقہ میں ان نو چیزوں پر زکوٰۃ کے واجب ہونے کی شرائط، اس کی

مقدار اور اس کے مصارف کے بارے میں بحث ہوتی ہے۔قرآن میں زکوٰۃ،نماز کے شانہ بہ شانہ ذکر ہوئی ہے۔قرآن میں زکوٰۃ کے مسائل میں سے صرف اس کے مصارف کی وضاحت ہوئی ہے۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے:

اِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلۡفُقَرَآءِ وَالۡمَسٰكِيۡنِ وَالۡعٰمِلِيۡنَ عَلَيۡهَا وَالۡمُؤَلَّفَةِ قُلُوۡبُهُمۡ وَفِى الرِّقَابِ وَالۡغٰرِمِيۡنَ وَفِىۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ وَابۡنِ السَّبِيۡلِ ؕ

(۶۰:۹)

صدقات فقیروں اور مسکینوں کے لیے ہیں اور ان لوگوں کے لیے ہیں جو صدقات کی جمع آوری پر مامور ہوں اور ان کے لیے جن کی تالیف قلب مطلوب ہو۔ نیز یہ غلاموں کو آزاد کرانے اور قرضداروں کی مدد کرنے میں، راہ خدا میں اور تہی دست مسافر کی دست گیری میں استعمال کرنے کے لیے ہیں۔

۴۔ کتاب الخمس: خمس بھی زکوٰۃ کی طرح ٹیکس جیسی ایک قسم کی مالی ادائیگی ہے۔خمس یعنی پانچواں حصہ۔اہل سنت کے نقطہ نظر سے صرف جنگی غنائم سے خمس کے طور پر پانچوں حصہ بیت المال کو ادا کرنا واجب ہے۔لیکن شیعہ نقطہ نظر سے جنگی غنائم ان چیزوں میں سے ایک ہے جن پر خمس واجب ہے۔ اس کے علاوہ معادن،خزانوں، مال حرام کے ساتھ مخلوط وہ حلال مال جسے مشخص کرنا ممکن نہ ہو، وہ زمین جسے کافر ذمی مسلمان سے خریدے، جو چیزیں غواصی کے ذریعے حاصل ہوں اور سالانہ بچت ان چیزوں سے خمس نکالنا واجب ہے۔ شیعہ مذہب میں خمس ایک عظیم سرمایہ ہے جو کسی ملک کے بجٹ کا ایک اہم حصہ پورا کرسکتا ہے۔

۵۔کتاب الصوم: صوم یعنی روزہ جیسا کہ آپ جانتے ہیں روزہ کی حالت میں کھانے، پینے، جنسی عمل، پانی میں سر ڈوبنے، غلیظ غبار حلق میں پہنچانے اور بعض دوسری چیزوں سے اجتناب ضروری ہے۔ ہر قمری سال میں ایک ماہ یعنی ماہ مبارک رمضان میں ہر اس بالغ شخص پر جو کوئی شرعی عذر نہ رکھتا ہو، روزہ رکھنا واجب ہے۔ ماہ رمضان کے علاوہ دوسرے دنوں میں روزہ رکھنا مستحب ہے۔ سال میں دو دن یعنی عید فطر، عید قربان کے دن روزہ رکھنا حرام ہے۔ بعض ایام میں روزہ رکھنا مکروہ ہے۔ جیسے روز عاشور۔

۶۔کتاب الاعتکاف: اعتکاف کا لغوی معنی کسی معین جگہ پر قیام کرنا ہے۔ لیکن فقہی اصطلاح میں یہ ایک قسم کی عبادت ہے جس میں انسان تین دن یا بیشتر کسی مسجد میں قیام کرتا ہے، وہاں سے باہر نہیں آتا اور تینوں دن روزہ رکھتا ہے۔ اس عمل کے کچھ احکام و شرائط ہیں جو فقہ میں موجود ہیں۔ اعتکاف بذات خود مستحب ہے، واجب نہیں ہے۔ لیکن انسان اعتکاف شروع کر دے اور دو دن تک اسے جاری رکھے تو تیسرے دن وہ واجب ہو جائے گا۔ اعتکاف مسجد الحرام یا مسجد النبی یا مسجد کوفہ یا مسجد بصرہ میں انجام پانا چاہیے اور کم از کم شہر کی جامع مسجد میں انجام پانا چاہیے۔ چھوٹی مسجدوں میں اعتکاف جائز نہیں ہے۔ پیغمبر اکرمؐ رمضان کے آخری عشرہ میں اعتکاف فرماتے تھے۔

۷۔کتاب الحج: حج وہی مخصوص عمل ہے جسے حجاج مکہ اور اس کے مضافات میں بجالاتے ہیں اور معمولاً عمرہ کے ہمراہ ہے۔ حج کے اعمال یہ ہیں: مکہ میں احرام باندھنا، سرزمین عرفات پر ٹھہرنا، مشعر میں شب کو ٹھہرنا، جمرۃ العقبیٰ کو رمی (پتھر مارنا)، قربانی، حلق یا تقصیر، طواف، نماز طواف، صفا و مروہ کے درمیان سعی، طواف النساء، نماز طواف النساء، رمی جمرات، منیٰ میں شب بسری۔

۸۔کتاب العمرہ: عمرہ بھی ایک چھوٹا حج ہے۔لیکن عام طور پر حاجیوں پر واجب ہے کہ پہلے عمرہ بجالائیں، اس کے بعد حج۔عمرہ کے اعمال یہ ہیں: کسی ایک میقات پر احرام۔خانہ کعبہ کا طواف۔نماز طواف۔صفا ومرہ کے درمیان سعی۔شیخ بہائی نے حج وعمرہ کے اعمال اور اس کی ترتیب کو طلباء کے ذہن میں باقی رکھنے کے لیے اسے ان کے پہلے حرف کے رمز سے ایک شعر میں جمع کیا ہے۔شعر یہ ہے:

اطرست للعمرة اجعل نهج
اووار نحط رس طرمر للحج

اس کی ترتیب یہ ہے:

الف: احرام

ط: طواف

ر: رکعتین طواف

س: سعی بین صفا ومروہ

ت: تقصیر

ان حروف کا مجموعہ لفظ ''اطرست'' بنتا ہے جو عمرہ کا رمزہ ہے۔حج کا رمز یہ ہے:

الف: احرام

و: وقوف (توقف) عرفات میں

و: وقوف مشعر الحرام میں

الف: افاضہ (کوچ کرنا) عرفات سے مشعر کی طرف اور وہاں سے منیٰ کی جانب

ر: رمی جمرة العقبی

ن: نحر یعنی قربانی

ح: حلق یعنی سر مونڈوانا اور جس کا پہلا حج نہ ہوا سے تھوڑے سے بال یا ناخن کٹوانا

ط: طواف حج

ر: رکعین طواف حج

س: سعی، صفا و مروہ کے درمیان

ط: طواف النساء

ر: رکعتین طواف

م: مبیت (یعنی شب بسری) منیٰ میں

ر: رمی جمرات

اعمال حج کی جو تشریح ہم نے کی تھی اس کی بناء پر اعمال کے تیرہ موضوع ہیں۔ لیکن اس شعر میں چودہ موضوع ذکر ہوئے ہیں۔ اس کا راز یہ ہے کہ شیخ بہائی نے عرفات و مشعر سے اضافہ (یعنی کوچ) کو ایک مستقل عمل شمار کیا ہے، حالانکہ وہ کوئی مستقل عمل نہیں ہے۔

۹۔ کتاب الجہاد: اس کتاب میں اسلامی جنگوں کا مسئلہ بیان ہوتا ہے۔ چونکہ اسلام سماجی اور سماجی ذمہ داریوں کا دین ہے، اسی لیے جہاد کو اسلامی احکام کے متن میں جگہ دی گئی ہے۔ جہاد کی دو قسمیں ہیں: ابتدائی اور دفاعی۔ شیعہ فقہ کے مطابق ابتدائی جہاد صرف پیغمبر اکرمؐ یا امام معصومؑ کی نگرانی میں انجام پا سکتا ہے۔ اس طرح کا جہاد صرف مردوں پر واجب ہے۔ لیکن دفاعی جہاد تمام زمانوں میں ہر شخص پر واجب ہے۔ چاہے وہ مرد ہو یا عورت۔

اسی طرح جہاد یا داخلی ہے یا خارجی۔ اگر کچھ لوگ مفترض الطاعۃ امام کے

خلاف خروج کریں، جیسا کہ خوارج، اصحاب جمل اور اصحاب صفین نے کیا تو ان سے بھی جہاد واجب ہے۔ فقہ میں جہاد، ذمہ یعنی غیر مسلم کو اسلامی حکومت کے زیر سایہ قبول کرنے کی شرائط اور اسلامی وغیر اسلامی حکومت کے درمیان صلح کے احکام تفصیل سے بیان ہوتے ہیں۔

۱۰۔ امر بالمعروف و نہی عن المنکر: اسلام چونکہ سماجی اور سماجی ذمہ داریوں کا دین ہے اور اپنے سعادت آفریں آسمانی منصوبوں کو جامع عمل پہنانے کے لیے مناسب ماحول ضروری جانتا ہے، لہٰذا اس نے ایک مشترکہ ذمہ داری سب پر عائد کی ہے۔ تمام لوگوں کا فرض ہے کہ وہ اچھے خصائل وفضائل کی حفاظت کریں اور برائیوں کو مٹانے میں کوشاں رہیں۔ نیکیوں کے تحفظ کا نام ''امر بالمعروف'' اور برائیوں کو دور کرنے کی کوشش کا نام ''نہی عن المنکر'' ہے۔ اسلامی فقہ میں امر بالمعروف و نہی عن المنکر کی کچھ شرائط اور اصول وضوابط ہیں، جن کی تفصیل فقہ میں مذکور ہے۔ یہاں تک عبادات کے دس باب پورے ہو گئے۔ اب عقود کی باری ہے۔

سبق نمبر ۷

فقہ کے اہم ابواب ومسائل

(۲)

عقود

محقق کہتے ہیں: عقود کی دو قسمیں ہیں اور پندرہ کتابوں پر مشتمل ہے۔

۱۔ کتاب تجارت: اس کتاب میں خرید وفروخت، طرفین معاملہ (یعنی خریدنے اور بیچنے والے) کی شرائط، عوضین کی شرائط، عقد یعنی معاملہ کے صیغہ کی شرائط اوراسی طرح مختلف قسم کی خرید وفروخت، جیسے نقد معاملہ، ادھار معاملہ، جہاں جنس نقد ہے قیمت ادھار، یا سلف معاملہ جو اس کے برعکس ہے یعنی قیمت نقد ادا ہوتی ہے مال بعد میں ملے گا۔ ان تمام مسائل کے بارے میں بحث وگفتگو کی جاتی ہے۔ البتہ وہ معاملہ جہاں قیمت اور مال دونوں ادھار ہوں باطل ہے۔ اسی طرح بیع کے باب میں مرابحہ مواضعہ اورتولیہ کے بارے میں بحث ہوتی ہے۔ یہاں مرابحہ سے مقصود یہ ہے کہ ایک شخص معاملہ کرتا ہے اور تھوڑا سا منافع لے کر وہ معاملہ کسی اور کے سپرد کردیتا ہے۔ مواضعہ اس کے برعکس ہے۔ یعنی معاملہ تھوڑے سے ضرر ونقصان کے ساتھ دوسرے کے حوالے کردیتا ہے۔ تولیہ یہ ہے کہ معاملہ نفع و نقصان کے بغیر دوسرے کے حوالے کردے۔

۲۔ کتاب الرہن: رہن یعنی گروی۔ اس باب میں گروی رکھوانے اور گروی رکھنے کے احکام بیان ہوتے ہیں۔

۳۔ کتاب مفلس: مفلس یعنی دیوالیہ، یعنی جس کا مال اس کے قرض کے بقدر نہ ہو۔ حاکم شرع ایسے شخص کے قرضوں کی چھان بین کرنے کے لیے اسے ممنوع التصرف قرار دے دے گا تاکہ اچھی طرح تحقیق کی جائے اور حتی الامکان قرض خواہوں کا قرض ادا کیا جائے۔

۴۔ کتاب الحجر: حجر یعنی منع اور اس سے مراد ممنوع التصرف ہوتا ہے۔ بہت سے ایسے مقامات ہیں، جہاں شرعی مالک، مکمل مالکیت رکھنے کے باوجود ممنوع التصرف ہو جاتا ہے۔ مثلاً مفلس، جس کا ذکر گزر چکا ہے، اس کی ایک قسم ہے۔ اسی طرح نابالغ بچہ، دیوانہ، سفیہ، مرض الموت میں مبتلا مریض، ایک تہائی سے زیادہ میں وصیت کرنے کی نسبت اسی طرح ایک قول کے مطابق مرض الموت میں مبتلا مریض ایک تہائی سے زیادہ اپنا مال کسی کے سپرد بھی نہیں کرسکتا۔

۵۔ کتاب الضمان: ضمان وہی چیز ہے جس آج ہم فارسی زبان میں 'ضمانت' کہتے ہیں۔ یعنی کوئی شخص کسی قرض خواہ یا قرض خواہی کے دعویدار کے مقابلے میں اس کا قرض اپنے ذمے لے لیتا ہے اور اس طرح اس کی ضمانت دیتا ہے۔ حقیقت ضمان کے بارے میں شیعہ اور سنی فقہ کے درمیان اختلاف ہے۔ شیعہ نقطہ نظر سے ضمان مقروض کے ذمہ سے ضمن کے ذمہ قرض کی منتقلی ہے۔ یعنی ضمان کے بعد قرض خواہ کو پہلے مقروض سے قرض طلب کرنے کا حق نہیں ہے۔ وہ صرف ضامن سے مطالبہ کرسکتا ہے۔ البتہ اگر ضامن نے مقروض کی درخواست پر ضمانت دی ہو تو قرض خواہ کو ادا کرنے کے بعد وہ رقم مقروض سے وصول کرسکتا ہے۔ لیکن سنی فقہ کی رو سے ضمان ذمہ داری میں دوسرے کو شریک کرنا ہے۔ یعنی ضمانت کے بعد قرض خواہ کو یہ حق ہوتا ہے کہ چاہے پہلے والے مقروض سے طلب کرے یا ضامن سے۔ محقق نے کتاب ضمان کے ضمن میں باب حوالہ و باب کفالہ

کے احکام بھی بیانکیے ہیں۔

۶۔ کتاب صلح: اس کتاب میں مصالحت کے احکام بیان ہوتے ہیں۔ یہاں صلح سے مراد وہ صلح نہیں ہے جو کتاب جہاد میں بیان ہوئی ہے۔ کتاب جہاد والی صلح، سیاسی معاہدوں کے بارے میں ہے اور باب عقود میں ذکر ہونے والی صلح، عرفی حقوق اور مالی امور سے مربوط ہے۔ مثلاً جس قرض کی مقدار معلوم نہ ہو اس کے بارے میں ایک معین مبلغ پر صلح ہو جاتی ہے۔ صلح عام طور پر اختلافات کی صورت میں واقع ہوتی ہے۔

۷۔ کتاب الشرکۃ: شرکت یعنی کوئی مال یا حق ایک سے زیادہ افراد سے تعلق رکھتا ہو۔ مثلاً فرزندوں کو میراث میں کچھ دولت ملتی ہے۔ جب تک یہ میراث تقسیم نہیں ہو جاتی، سب اس میں شریک ہیں یا یہ کہ دو افراد ایک گھوڑا، زمین، یا گاڑی مل جل کر خریدتے ہیں یا چند افراد مشترکہ طور پر کسی افتادہ زمین کو زندہ کرتے ہیں۔ بعض اوقات یہ شرکت غیر اختیاری طور پر انجام پاتی ہے۔ مثلاً ایک شخص کا گیہوں دوسرے شخص کے گیہوں کے ساتھ مخلوط ہو جاتا ہے، جسے علیحدہ کرنا ممکن نہیں ہوتا۔

شرکت کی دو قسمیں ہیں: عقدی و غیر عقدی۔ اب تک جو کچھ میں نے بیان کیا ن وہ سب غیر عقدی شرکت تھی۔ عقدی شرکت یہ ہے کہ دو یا چند افراد ایک معاہدہ کے ذریعے آپس میں شرکت برقرار کرتے ہیں۔ جیسے تجارتی، زراعی یا صنعتی کمپنیاں۔ عقدی شرکت کے بہت سے احکام ہیں، جن کا ذکر فقہ میں موجود ہے۔ شرکت کے باب میں ضمنی طور پر تقسیم کے احکام بھی بیان ہوئے ہیں۔

۸۔ کتاب المضاربہ: مضاربہ ایک قسم کی عدی شرکت ہے۔ لیکن یہ دو یا چند اشخاص کی شرکت نہیں ہے۔ بلکہ سرمایہ اور محنت کی شرکت ہے۔ یعنی ایک یا چند

اشخاص تجارت کے لیے سرمایہ فراہم کرتے ہیں اور کچھ دوسرے افراد ''عامل'' کی حیثیت سے کارتجارت انجام دیتے ہیں۔ ضروری ہے کہ وہ پہلے منافع کی تقسیم کا مسئلہ آپس میں طے کر چکے ہوں کہ کسے کتنا ملے گا۔ دوسری شرط یہ ہے کہ عقد مضاربہ یعنی مضاربہ کا صیغہ جاری کیا گیا ہو یا کم از کم عملی طور پر کوئی معاہدہ عمل میں آیا ہو۔

۹۔ کتاب المزارعہ والمساقات: مزارعہ و مساقات، مضاربہ ہی جیسی شرکت کی دو قسمیں ہیں۔ یعنی ان دونوں میں بھی سرمایہ ومحنت کی شرکت ہے۔ بس فرق یہ ہے کہ مضاربہ سرمایہ ومحنت کی شرکت ہے تجارت کے لیے اور مزارعہ سرمایہ اور محنت کی شرکت ہے زراعت کے لیے۔ یعنی پانی اور زمین کا مالک کسی سے معاہدہ کرتا ہے کہ تم اس پر کام کرو اور اس سے حاصل ہونے والا غلہ ہم دونوں کے درمیان معینہ مقدار میں تقسیم ہو جائے گا۔ مساقات سرمایہ ومحنت کی شرکت ہے باغبانی میں۔ یعنی پھل دار درخت کا مالک کسی مزدور سے یہ معاہدہ کرتا ہے کہ تم باغ کی دیکھ بال اور سینچائی وغیرہ کا کام انجام دو بعد میں حاصل ہونے والے پھل کو ہم لوگ باہم طے شدہ مقدار میں آپس میں بانٹ لیں گے۔

یہاں اس نکتہ کی وضاحت بھی ضروری ہے کہ سرمایہ ومحنت کی شرکت میں چاہے وہ مضاربہ کی شکل میں ہو یا مزارعہ ومساقات کی صورت میں، چونکہ سرمائے کا تعلق مالک سے ہوتا ہے، اگر سرمائے کو کوئی نقصان پہنچے گا تو وہ سرمائے کے مالک کے کھاتے میں ڈالا جائے گا اور دوسرے یہ کہ سرمائے کی منفعت یقینی و معین نہیں ہوتی یعنی ممکن ہے اسے زیادہ نفع حاصل ہو یا سرے سے نہ ملے۔ جب منافع ہوگا تب ہی سرمایہ کا مالک اس کے منافع میں حصہ دار ہوگا، چاہے وہ کم ہو یا زیادہ۔ چنانچہ ممکن ہے کہ عامل کی طرح سرمائے کے مالک کو بھی کوئی فائدہ حاصل نہ ہو بلکہ اسے نقصان بھی ہو جائے اور اس کا سرمایہ تلف ہو جائے اور وہ دیوالیہ ہو جائے۔

لیکن آج کی دنیا میں بینکر حضرات سود کی شکل میں اپنا مقصد پورا کرتے ہیں اور نتیجے میں ایک معینہ منفعت ہر حال میں حاصل کرتے ہیں۔ خواہ تجارتی، زراعتی یا صنعتی کام میں، جو اس سرمایہ کے ذریعے انجام پاتا ہے منفعت ہو یا نہ ہو۔ بالفرض اگر اس سال فائدہ نہ ہو پھر بھی عامل وہ معینہ منافع ادا کرنے پر مجبور ہے، چاہے اسے اپنا گھر ہی کیوں نہ بیچنا پڑے۔ اس طرح اس نظام میں سرمایہ دار کبھی بھی دیوالیہ نہیں ہوتا۔ کیونکہ سودی نظام کی بنیاد پر سرمایہ دار اپنا سرمایہ عامل کو بطور قرض دیتا ہے اور وہ ہر حال میں اپنے قرض کا مطالبہ کرسکتا ہے چاہے اس کا پورا سرمایہ تلف ہی کیوں نہ ہو گیا ہو۔

اسلام میں سرمایہ سے سود کی شکل میں استفادہ یعنی یہ کہ سرمایہ دار اپنا پیسہ قرض کی شکل میں عامل کو دے اور اس سے ہر حال میں کچھ فائدہ کے ہمراہ اپنے قرض کا مطالبہ کرے، بڑی سختی سے منع ہے۔

۱۰۔ کتاب الودیعہ: ودیعہ یعنی امانت۔ دوسرے لفظوں میں اپنا مال کسی کے سپرد کرنا اور اسے اس مال کی حفاظت کے لیے اپنا جانشین و نائب مقرر کرنا۔ ودیعہ خود اپنی جگہ پر ''ودعی'' یعنی امانت دار کے لیے کچھ فرائض و ذمہ داریاں عائد کرتی ہے۔ جس طرح اسے مال کے تلف ہو جانے کی صورت میں، اگر اس کی تقصیر نہ ہو تو معاف رکھتی ہے۔

۱۱۔ کتاب العاریہ: عاریہ یہ ہے کہ کوئی شخص کسی شخص سے اس کا مال استفادہ کے لیے لے۔ عاریہ اور ودیعہ دونوں ایک قسم کی امانت ہیں۔ لیکن فرق یہ ہے کہ ودیعہ میں انسان اپنا مال حفاظت کی خاطر دوسرے کے حوالے کرتا ہے اور فطری طور پر امانت دار مالک کی اجازت کے بغیر اس میں کسی قسم کا تصرف نہیں کرسکتا۔ لیکن عاریہ یہ ہے کہ انسان شروع ہی سے اپنا مال دوسرے کو

استعمال کے لیے دیتا ہے کہ وہ اپنی ضروریات پوری کرنے کے بعد واپس کر دے۔ جیسے کوئی اپنی گاڑی، کپڑا یا برتن کسی کو عاریتاً دے دے۔

۱۲۔ کتاب الاجارہ: اجارہ کی دو قسمیں ہیں یا اس طرح ہے کہ انسان اپنے منافع کو کچھ پیسہ کے بدلے میں جسے مال الاجارہ کہتے ہیں، دوسرے کے سپرد کر دیتا ہے۔ جیسے انسان عام طور پر اپنا گھر کپڑا یا گاڑی کرایہ پر دیتا ہے اور یا اس طرح ہے کہ انسان خود اجیر بن جاتا ہے۔ یعنی یہ طے کرتا ہے کہ کسی معین کام کے بدلے میں جیسے سلائی، حجامت یا گھر کی تعمیر وغیرہ کے بدلے میں مزدوری لے گا۔ اجارہ اور بیع ایک جہت سے ایک دوسرے کے مشابہ ہیں اور وہ یہ ہے کہ دونوں میں معاوضہ ومبادلہ موجود ہے۔ فرق یہ ہے کہ بیع میں ایک عین خارجی اور پیسہ کے درمیان مبادلہ ہے اور اجارہ میں اس عین کے منافع اور پیسہ کے درمیان مبادلہ ہے۔ عوضین (مال اور قیمت) کو بیع میں ''مبیع'' و''مثن'' کہتے ہیں اور اجارہ میں ''عین موجرہ'' و''مال اجارہ''۔ اجارہ اور عاریہ بھی ایک چیز میں شریک ہیں اور وہ یہ کہ ''مستاجر'' (کرایہ دار) و''مستعیر'' (عاریت لینے والا) دونوں ہی منافع سے استفادہ کرتے ہیں۔ لیکن فرق یہ ہے کہ مستاجر چونکہ کرایہ دیتا ہے، لہٰذا وہ عین کے منافع کا مالک ہے، لیکن مستعیر منافع کا مالک نہیں ہے، اسے صرف استفادہ کا حق ہے۔

۱۳۔ کتاب الوکالہ: ایک انسانی ضرورت ہے۔ یعنی دوسرے افراد کو اپنا نائب بناتا ہے تاکہ وہ بعض امور اس کی جانب سے عقد یا ایقاع کی شکل میں انجام دیں۔ مثلاً کوئی شخص کسی شخص کو وکیل بناتا ہے کہ اس کی طرف سے عقد بیع یا اجارہ یا عاریہ اور ودیعہ یا وقف یا صیغہ طلاق جاری کرے۔ جو اپنی طرف سے کسی کو اختیار دیتا ہے، اسے ''موکل'' اور جسے موکل کی جانب سے نائب بنایا جاتا ہے، اسے

''وکیل''اور خود اس عمل کو''توکیل'' کہا جاتا ہے۔

۱۴۔کتاب الوقوف و الصدقات: وقف یعنی اپنا مال اپنی ملکیت سے خارج کر کے کسی ایک جگہ مصرف کے لیے مقرر کر دے۔ وقف کی تعریف میں کہا گیا ہے: تحبیس العین تسبیل المنفعۃ یعنی اصل مال کو غیر قابل انتقال قرار دے کر باقی رکھنا اور اس کی منفعت کو عام کر دینا۔ وقف میں قصد قربت شرط ہے یا نہیں؟ اس سلسلے میں اختلاف ہے۔ محقق نے اسے عبادت کے باب میں ذکر کرنے کی بجائے عقود کے باب میں جو ذکر کیا ہے، اس کا سبب یہ ہے کہ محقق وقف میں قصد قربت شرط نہیں جانتے۔

وقف کی دو قسمیں ہیں: وقف خاص اور وقف عام اور ہر ایک کے مفصل احکام ہیں۔

۱۵۔کتاب السکنیٰ والحبس: سکنیٰ اور حبس دونوں وقف سے مشابہت رکھتے ہیں۔فرق یہ ہے کہ وقف میں عین مال ہمیشہ کے لیے محبوس ہو جاتا ہے اور دوبارہ شخصی ملکیت بننے کے لائق نہیں ہو جاتا، لیکن حبس یہ ہے کہ انسان اپنے مال کا منافع ایک معین مدت کے کسی نیک کام میں مصرف کرنے کے لیے وقف کر دیتا ہے اور وہ مدت گزر جانے کے بعد دوبارہ اس کی شخصی ملکیت بن جاتا ہے اور سکنیٰ یہ ہے کہ کسی مکان کو ایک معین مدت تک کے لیے حق سکونت کے لیے کسی مستحق کے حوالہ کر دے اور مدت ختم ہو جانے کے بعد دوبارہ پہلے مالک کی ملکیت میں آ جائے گا۔

۱۶۔کتاب الھبات: ھبہ یعنی بخشش، مالکیت کا ایک مظہر یہ ہے کہ انسان اپنا مال کسی کو بخش دینے کا حق رکھتا ہے۔ ہبہ کی دو قسمیں ہیں: معوضہ و غیر معوضہ۔ ہبہ غیر معوضہ یہ ہے کہ اپنی بخشش کے بدلے میں کوئی عوض نہ لے۔ لیکن ہبہ معوضہ یہ ہے کہ بدل میں کوئی صلہ بھی لے۔ ہبہ معوضہ واپس نہیں لیا جا

سکتا، ہبہ غیر معوضہ بھی اگر اپنے قرابت داروں کے درمیان ہو یا ہبہ شدہ چیز تلف ہوگئی ہو تو واپس نہیں لیا جا سکتا، ورنہ ہبہ کرنے والا واپس لے سکتا ہے اور عقد ہبہ کو فسخ کر سکتا ہے۔

۱۷۔ کتاب السبق والرمایہ: سبق ورمایہ یعنی گھوڑا دوڑ، تیز اندازی اور اونٹوں کی ریس میں ایک طرح کی شرط بندی اور معاہدہ۔ باوجودیکہ سبق ورمایہ ایک طرح کی شرط بندی ہے اور اسلام نے شرط بندی سے روکا ہے، لیکن یہ فوجی تیاری کی مشق کے لیے ہے، لہٰذا اسے جائز قرار دیا ہے۔ سبق ورمایہ جہاد کے توابع میں سے ہے۔

۱۸۔ کتاب الوصیہ: اس کا تعلق انسان کی ان وصیتوں سے ہے جو وہ اپنے مرنے کے بعد کے لیے اپنے مال یا اپنے چھوٹے بچوں کے بارے میں کرتا ہے، جن کا وہ ولی ہے۔ انسان کو یہ حق ہے کہ کسی کو اپنا وصی بنائے جو اس کے بعد اس کے چھوٹے چھوٹے بچوں کی حفاظت و تربیت کا ذمہ دار ہو۔ اسی طرح اسے حق ہے کہ اپنے ایک تہائی مال کو اپنی وصیت کے مطابق جس جگہ چاہے صرف کروائے۔ فقہاء کہتے ہیں کہ وصیت کی تین قسمیں ہیں: تملیکیہ، عہدیہ، فکیہ۔ تملیکیہ وصیت یہ ہے کہ انسان وصیت کرے کہ اس کے مال میں سے فلاں مقدار اس کے مرنے کے بعد فلاں شخص کے لیے ہے۔ وصیت عہدیہ یہ ہے کہ انسان وصیت کرے کہ اس کے مرنے کے بعد فلاں عمل انجام دیا جائے۔ مثلاً اس کی طرف سے حج یا زیارت یا نماز یا روزہ بجا لایا جائے یا کسی دوسرے اچھے کام کی وصیت کرے۔ وصیت فکیہ یہ ہے کہ مثلاً وصیت کرے کہ میرے مرنے کے بعد فلاں غلام آزاد ہو جائے۔

۱۹۔ کتاب النکاح: نکاح شادی کا عہد و پیمان ہے۔ فقہاء نکاح کے باب میں سب سے پہلے عقد نکاح کی شرائط کے بارے میں بحث کرتے ہیں۔ اس کے

بعد محارم کے بارے میں یعنی جن لوگوں کا آپس میں شادی کرنا حرام ہے، بحث کرتے ہیں۔ جیسے باپ اور بیٹی، ماں اور بیٹا، بھائی اور بہن وغیرہ۔اس کے بعد نکاح کی دوقسموں، دائم و منقطع، نشوز یعنی زن وشوہر کی اپنے اپنے فرائض سے سرتابی اور ایک دوسرے کے حقوق کی رعایت نہ کرنے، نفقات یعنی باپ پر بال بچوں کا خرچ واجب ہونے اور کچھ دوسرے مسائل کے بارمیں بحث کرتے ہیں۔

یہاں پرعقود کی بحث ختم ہوگئی۔جیسا کہ آپ نے ابتداء میں ملاحظہ فرمایا، محقق حلی نےعقود کی بحث کی ابتداء میں فرمایا تھا کہ عقود میں پندرہ کتابیں ہیں لیکن عملی طور پر کچھ زیادہ ہی ہوگئیں۔نہیں معلوم ایسا کیوں ہوا؟ شائد لفظی غلطی ہوگئی ہو یا شاید محقق بعض ابواب کو بعض کے ساتھ ایک جانتے ہوں۔ (مثلاً شرکت مضاربہ اور مساقات کوایک جانتے ہوں۔)

ISLAMICMOBILITY.COM
IN THE AGE OF INFORMATION
IGNORANCE IS A CHOICE

"Wisdom is the lost property of the Believer,

let him claim it wherever he finds it"

Imam Ali (as)